خوشبوئے بہاراں

(تاثراتی مضامین کا مجموعہ)

خوشبوئے بہاراں درِ زنداں پہ کھڑی ہے
میں ہوں کہ مرے پاؤں میں زنجیر پڑی ہے

صلاح الدین نیّر

تاریخ و سنِ اشاعت	:	۱۵ جون ۲۰۰۱ء
تعدادِ صفحات	:	۱۹۶
تعدادِ اشاعت	:	۵۰۰
قیمت	:	۱۰۰ روپے
کتابت	:	سید انور احمد
طباعت	:	اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲
ناشر	:	صلاح الدین نیر

ملنے کے پتے

- سیاست سیل کاونٹر - جواہر لال نہرو روڈ - حیدرآباد ۱
- حسامی بک ڈپو - مچھلی کمان پتھر گٹی - حیدرآباد ۲
- مصنف - کہکشاں - ۱۱-۳-۸۲۴/۴ ملے پلی حیدرآباد ۱

فون : 3340015

ترتیب و تزئین

خوشبوئے بہاراں — مصنف — ۵

مضامین :

• ڈاکٹر سید عبدالمنان۔ ہمدرد مسیحا۔ قابل احترام شخصیت۔ پیکر تہذیب ۱۲
• نواب شاہ عالم خان۔ عطر بیز فضاؤں میں مہکنے والی حیدر آبادی تہذیب کی نمائندہ شخصیت ۱۸
• سید ہاشم علی اختر۔ نامور دانشور۔ صاحب قرطاس و قلم۔ بہترین اڈمنسٹریٹر ۴۶
• ولی قادری۔ ولی صفت اسم بامسمیٰ۔ بے مثال منکسر اور وضع دار شخصیت ۵۰
• ڈاکٹر راج بہادر گوڑ۔ خوش مزاج ادیب۔ باکردار انسان ۶۱
• ڈاکٹر زینت ساجدہ۔ قابل ترین استانی۔ صاحب طرز نامور ادیبہ ۶۸
• ڈاکٹر سی نارائن ریڈی سنارے۔ جامعہ عثمانیہ کے لائق سپوت ۷۷
• پروفیسر جعفر نظام۔ فرشتہ صفت۔ نیک انسان ۸۷
• ایم باگا ریڈی۔ کامیاب سیاستداں۔ اردو کے پرستار ۹۳
• کنول پرشاد کنول۔ گنگا جمنی تہذیب کے علمبردار اردو ہندی کے نامور شاعر ۱۰۴
• پروفیسر مغنی تبسم۔ فکر و آگہی کے روشن چراغ ۱۱۴
• زاہد علی خان۔ پُرسکون باصلاحیت ذہین و باشعور صحافی ۱۲۴
• خلیل الرحمن۔ باشعور سیاسی رہنما۔ مہذب شہری ادب نواز محب اردو ۱۳۵
• پروفیسر افضل محمد ہونہار فرزند جامعہ عثمانیہ نامور دانشور ماہر تعلیم ۱۴۴

• آصف پاشاہ ۔ اعتدال پسند سیاسی قائد۔ نفیس آدمی ۱۵۳
• ڈاکٹر شیام سندر پرشاد، بصارت نواز ماہر امراضِ چشم اور نامور شہری ۱۶۰
• ڈاکٹر وزارت رسول خان، ذہین و فطین، باصلاحیت ماہر تعلیم ۱۶۷
• شریمتی روڈا مستری۔ حیدرآبادی تہذیب کی نمائندہ باوقار خاتون ۱۷۷
• ڈاکٹر موہن لعل نگم سالار جنگ میوزیم کے تزئین کار، شاعر و ادیب ۱۸۳
• تجمل حسین ۔ تہذیبی سفیر۔ وضع دار شخصیت ۸۹
۱۹۶

اِنتساب

حیدرآبادی تہذیب کی وضع دار، شفاف، آئینہ صفت
نمائندہ شخصیت نواب شاہ عالم خان صاحب کے نام
جن کی خوشبو انسانی رشتوں کے تمام گوشوں کو مہکا رہی ہے

صلاح الدین نیّر

خوشبوئے بہاراں

حیدرآباد کی بہ قید حیات نمائندہ شخصیتوں میں بے شمار ایسے خواتین و
حضرات بھی شامل ہیں جن کے کارنامے حیدرآباد کی علمی و ادبی، تعلیمی و صحافتی
تہذیبی و ثقافتی تاریخ میں ہمیشہ محفوظ رہیں گے کوئی ایک شعبہ زندگی بھی
ایسا نہیں ہے کہ جس میں اہم شخصیتیں موجود نہ ہوں۔ لیکن میں نے خوشبوئے
بہاراں حصہ اول کے لئے ترجیحاً ۲۰ ایسی شخصیتوں کو خراج تحسین پیش
کرنے کے لئے منتخب کیا ہے جنھیں میں نے اپنی شعری و ادبی، صحافتی و تہذیبی
زندگی میں دوسروں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی محسوس کیا ہے اور یہ ایسی
شخصیتیں ہیں جنھوں نے اپنے اپنے میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں
ڈاکٹر سید عبدالمنان، نواب شاہ عالم خان، سید ہاشم علی اختر، ولی قادری، ڈاکٹر
راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر زینت ساجدہ، ڈاکٹر (سی) نارائن ریڈی، پروفیسر جعفر نظام،
ایم باگا ریڈی، کنول پرشاد کنول، پروفیسر مغنی تبسم، زاہد علی خان، خلیل الرحمٰن،
پروفیسر افضل محمد، آصف پاشاہ، ڈاکٹر شیام سندر پرشاد، ڈاکٹر وزارت رسول خان،
تنز بمتی رو ڈامستری، ڈاکٹر موہن لعل نیّر اور نجل جین۔

ان نمائندہ شخصیتوں کے علاوہ ۱۲۵ اور نامور شخصیتیں ہیں جن پر

میں نے مضامین لکھے ہیں جو خوشبوئے بہاراں (حصۂ دوم) میں شامل رہیں گے۔

"اوراقِ ماضی" کے زیرِ عنوان بھی بیس دانشورانِ شعروادب پر مضامین لکھ چکا ہوں جن کے اسم گرامی یہ ہیں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، پروفیسر حبیب الرحمٰن، پروفیسر عبدالقادر سروری، پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد راۓ جانکی پرشاد، پروفیسر سید محمد، جناب بدر علی خان، جناب محبوب حسین جگر، ڈاکٹر حسینی شاہد، علامہ حیرت بدایونی، حضرت قدر عریضی، مخدوم محی الدین، شاہد صدیقی، سعید شہیدی، خورشید احمد جامی، اوج یعقوبی، امیر احمد خسرو، خیرات ندیم، سلیمان اریب اور شاذ تمکنت، انشاء اللہ بہت جلد یہ مضامین بھی کتابی شکل میں منظرِ عام پر آجائیں گے۔ میں نے اپنی ادبی زندگی میں مختصر اور طویل زائد از ایک سو مضامین، تعارفی خاکے، انشائیے انٹرویوز اور تبصرے لکھے ہیں جو مختلف اخباروں اور رسائل میں شائع ہو چکے ہیں اور بعض مضامین میری کتابوں سلسلہ پھولوں کا (۱۹۹۲ء)، بکھر دیئے پرچھائیاں (۱۹۹۳ء) اور کہکشاں (۱۹۹۶ء) میں شامل ہیں جن کی تفصیل علاحدہ پیش ہے ان کے علاوہ میری وہ تمام تحریریں جو میری فائل میں ہیں اگر حالات ساتھ دیں تو انہیں بھی کتابی شکل دی جائے گی۔

تاحال میری اور مجھ سے متعلق حسب ذیل ۲۴ کتابیں شائع ہو چکی ہیں

مجموعۂ کلام :۔ گُلِ تازہ (۱۹۶۵ء) زخموں کے گلاب (۱۹۷۳ء)
صنم تراش (۱۹۷۸ء) شکن در شکن (۱۹۷۹ء) خوشبو کا سفر (۱۹۸۳ء)

رشتوں کی مہک (۱۹۸۶ء) سفر جاری ہے (۱۹۸۸ء) یہ کیسا رشتہ ہے (۱۹۹۰ء) کیا کیا جائے (۱۹۹۴ء) گلفشاں (۱۹۹۹ء) نیلم زرفشاں (۲۰۰۰ء)

نثری مطبوعات : سلسلہ بچھو لوں کا (خود نوشت سوانح) (۱۹۹۲ء) بجھروہی پرچھائیاں (مضامین، خاکے، سفرنامے) (۱۹۹۳ء) قافلے یادوں کے (المیہ تحریریں) (۱۹۹۳ء)، کہکشاں (۱۹۹۶ء) سائبان (محبوب حسین جگر) (۱۹۹۸ء)، خوشبوئے بہاراں حصہ اول (۲۰۰۱ء)

تالیف : عظمت عبدالقیوم فن اور شخصیت (۱۹۸۸ء) عظمت خیابان (عظمت عبدالقیوم کے مضامین، افسانے، شاعری (۱۹۸۹ء) فیضانِ رسولؐ (۱۹۹۵ء)، صالحہ الطاف فن اور شخصیت (۲۰۰۱ء)

صلاح الدین نیر سے متعلق کتابیں : قافلہ چلتا رہے گا (صلاح الدین نیر فن اور شخصیت (۱۹۹۲ء) از صالحہ الطاف / ڈاکٹر صابرہ سعید نیر گیتا لو (۱۹۶۵ء) گلِ تازہ کی منتخب غزلوں کا منظوم ترجمہ۔ مترجم شمس الدین محمودی (کھم) تزئین کار۔ ہیرا سعل موریا۔ صلاح الدین نیر فن اور شخصیت (۱۹۹۴ء)

۵۰ سے زیادہ کتابیں بالراست میری نگرانی میں شائع ہوئیں۔ ۲۵ اور شاعروں، ادیبوں کی کتابوں کے دیباچے اور مضامین لکھ چکا ہوں جو شائع شدہ نی ہیں۔

۱۹۶۴ء تا ۱۹۶۶ء روزنامہ سیاست میں محمد قلی قطب شاہ سے لے کر رئیس اختر تک میری ۱۴۲ تحریریں تعارفی نوٹ اور منتخب کلام کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں

اگر وہ تحریریں بھی شائع ہو جائیں تو ایک ضخیم کتاب ہو سکتی ہے اس کے علاوہ میں نے سیاست میں مختلف اصناف سخن پر مختصر نوٹ کے ساتھ متعلقہ شعرا کلام شائع کیا ہے خوشبو کا سفر کے منتخب اداریے بھی کتابی شکل کے لئے ترتیب پاچکے ہیں یہاں اس بات کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ خوشبو کا سفر کے اداریوں پر ایک ضخیم کتاب میرے نادیدہ مداح ممتاز بزرگ دانشور محمد توفیق خان (سروج ضلع مدھیہ پردیش) نے لکھی ہے یہ کتاب بھی کسی مناسب وقت پر شائع ہوگی میری نثری تخلیقات میں ممتاز صحافی محبوب حسین جگر کی صحافتی خدمات پر لکھی ہوئی کتاب سائبان (۱۹۹۸ء) بھی شامل ہے جو ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب کے ذریعہ میں نے جناب محبوب حسین جگر کے ساتھ جناب عابد علی خان اور روزنامہ سیاست کو بھی خراج پیش کیا ہے خوشبو کے بہاراں میں جن شخصیتوں پر میں نے مضامین لکھے ہیں ان میں سے ہر شخصیت اتنی جامع ہے کہ ہر ایک پر مکمل کتاب لکھی جاسکتی ہے میں نے اپنی حیثیت کے مطابق ان شخصیتوں پر خامہ فرسائی کی ہے دراصل میں اپنے کرم فرماؤں کو خراج پیش کرنا چاہتا تھا جنھوں نے میری شاعرانہ و ادیبانہ زندگی کو نہ صرف سراہا ہے بلکہ وہ مجھ پر مہربان بھی رہے۔ مجھے یقین ہے کہ علمی و ادبی، تہذیبی و صحافتی حلقے میری اس کوشش کو بھی بہ نظرِ استحسان دیکھیں گے اور ہمیشہ کی طرح میری حوصلہ افزائی کریں گے۔

صلاح الدین نیر

کہکشاں : ۱۱-۲-۸۲۴/۷
جدید ملے پلی حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ اے پی

کتابوں میں شائع شدہ مضامین

"سلسلہ پھولوں کا" ۱۹۹۲ء

رشتوں کی مہک:

عظمت عبدالقیوم، صالحہ الطاف، ڈاکٹر صابرہ سعید، فاطمہ نسرین، انجم قمر سویز

انیس قیوم فیاض، مظفر النساء ناز، شفیعہ قادری، کو نیتا کرن

اعلیٰ عہدہ داران سکریٹریٹ:

یس اے قادر، بھارت چند کھنہ، سید ہاشم علی اختر، غلام احمد، خالد انصاری

غلام دستگیر قریشی، نریندر لوتھر، یس اے واسع، محمد تاج الدین، بی این واگھرے

بی اے عزیز، صادق احمد، سید تراب الحسن، رمن راؤ، خواجہ حمید الدین،

عبدالمحمود، رشید قریشی، مشیر احمد، سعید حسین سعد، اے کے گوئل، وینکٹ رمناچاری

علمی، ادبی و تہذیبی ادارے:

ادارہ ادبیات اردو، اردو اورینٹل کالج، اردو فیسٹول (۱۹۵۹) یوم محمد قلی

قطب شاہ، اردو مجلس، روزنامہ سیاست، نظام گزٹ، ماہنامہ خاتون دکن

بزم سعدی، ادارہ اتحاد الشعراء، بزم جیون، ادبی ٹرسٹ، ادارہ شعر و حکمت

زندہ دلان حیدرآباد، سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن، محفل خواتین

خسنکرجی مشاعرے، انجمن ترقی پسند مصنفین، دیارِ ادب، جشنِ گولکنڈہ سوسائٹی، مشاعرۂ دکن، اولڈسٹی فیسٹول، میرا شہر میرے لوگ ہندی اکیڈیمی، المدینہ کالج آف ایجوکیشن

پھر وہی پرچھائیاں ۱۹۹۳ء

سفر نامہ

دیارِ نبی میں دو ہفتے، جدہ میں ۸ دن، کویت میں ۳ دن

شخصیات اور تاثراتی خاکے

ڈاکٹر سی نارائن ریڈی، رئیس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی، ناصر کرنولی، رحمٰن جامی، ڈاکٹر مصطفیٰ کمال، نہپال سنگھ ورما، اکمل حیدرآبادی، ڈاکٹر طیب انصاری عزیز بھارتی

کتابوں پر تبصرے

آہنگِ شعر، پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد، افکار، پروفیسر آزاد گلاٹی، روشن لکیریں، ڈاکٹر صادق نقوی، ذائقہ میرے لہو کا، شمیم فاروقی، افکارِ شفق شفق الہ آبادی، چھپن کنارے، تنہا چاند، یوگیندر بہل تشنہ، اوراقِ ماضی، چندر پرکاش جوہر، روشنی اور خوشبو جات وارثی، شجر صدا، سریندر شجر

کہکشاں ۱۹۹۶ء

فیضانِ رسول جاری ہے، راج بھون، گورنر آندھرا پردیش، کرشن کانت محفلِ خواتین اور عظمت عبدالقیوم، سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن، میرا شہر

میرے لوگ، حیدرآباد میں انجمن ترقی پسند مصنفین، فیضان رسول، ڈاکٹر علی احمد جلیلی، منوہر لعل بہار، مومن خان شوق، وقار ریاض

اپنی بات

گُل تازہ، زخموں کے گلاب، صنم تراش، خوشبو کا سفر، شکن در شکن رشتوں کی مہک، سفر جاری ہے، یہ کیسا رشتہ ہے، کیا کیا جائے سلسلہ پہیلیوں کا، پھر وہی پرچھائیاں، قافلے یادوں کے، عظمت عبدالقیوم فن اور شخصیت، عظمت خیاباں، فیضان رسول، گلفشاں کہکشاں، نیلم در فشاں، صالحہ الطاف فن اور شخصیت، خوشبوئے بہاراں

شاعروں، ادیبوں کی کتابوں کے لئے مضامین

ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید، رئیس اختر، حامد علی تعمیر، بشیر امجد، قاضی انجم عارفی، پروفیسر لطیف احمد سبحانی، عبدالرحیم آرزو، محب کوثر عزیز انتظار صبا، شاغل ادیب، وحید مرزا، مومن خان شوق، یوسف یکتا، عزیز بھارتی، محبوب جاکی، باسط نقوی، امباجی راؤ شاد، انیس عابد لطفی، رحیم رامش، ظہیر بابار، مظفر النازؔ، رنجیانہ بیگم۔

ڈاکٹر سید عبدالمنان

ہمدرد مسیحا، قابل احترام شخصیت، آبروئے تہذیب دکن

بعض شخصیتیں کچھ ایسی جامع الصفات، لائق تعظیم و تکریم اور اعلیٰ خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں کہ جن کی زندگی کا ہر پہلو تنویر صبح صادق کی طرح معاشرہ کے ہر اُس گوشہ تابندہ کو مزید پُر نور بنا دیتا ہے جو انسانی و تہذیبی رشتوں کے لئے ایک نعمت عظمیٰ کی حیثیت رکھتا ہے اور ایسی شخصیتیں جو اعلیٰ اقدار کو اپنے دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہیں مثبت قدروں کی ترجمانی و پاسداری کرتی ہیں دوسروں کی بہتری و بھلائی کے لئے اپنی زندگی کو وقف کردیتی ہیں حاجت مند لوگوں کے لئے اپنی مسیحائی سے سرفراز کرتی ہیں اور اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کے لئے بے لوث خدمات انجام دیتی ہیں وہ ہر دور میں قدر و منزلت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہیں اور دیکھی جاتی رہیں گی اس طرح کی نبض شناس شرافت پسند، محبت نواز شخصیتوں کا ایک ایک پل روشنی کی کرم فرمائیوں کی طرح اپنا منصب ادا کرتا رہتا ہے یہ اور اس طرح کی بے شمار صلاح

روایات کے نگہبانوں اور حیدرآبادی تہذیب کی نمائندہ شخصیتوں میں ممتاز عثمانین ڈاکٹر سید عبدالمنان بھی ہیں جو اپنی بلند نگاہی اور اعلیٰ ظرفی سے معاشرہ کے ہر گوشہ کو مہکا رہے ہیں۔

محترم المقام ڈاکٹر سید عبدالمنان سے میں ایک مسیحا اور ایک ادب دوست شخصیت کی حیثیت سے تقریباً ۴۰ سال سے واقف ہوں۔ حیدرآباد کے مسلم ڈاکٹروں میں تین نام میرے دل و دماغ پر شفاف آئینہ کی طرح جلوہ افروز ہیں۔ میری پسند کے وہ تین ڈاکٹر، ڈاکٹر سید عبدالمنان، ڈاکٹر حیدر خان اور ڈاکٹر مجید خان ہیں۔

۱۹۵۹ء کی بات ہے کہ جب میں اخبار "سیاست" سے وابستہ ہوا تو اُس وقت میں اُردو اورینٹل کالج میں بی او ایل کا طالب علم تھا جہاں کے تعلیمی و تہذیبی، علمی و ادبی ماحول نے مجھے انجمن ترقی اُردو اور اُردو مجلس کی سرگرمیوں سے بھی متاثر کیا تھا۔ اُن دنوں ڈاکٹر سید عبدالمنان کا نام نہ صرف ایک اعلیٰ مرتبت ڈاکٹر کی حیثیت سے ہی نمایاں تھا بلکہ اُردو کے ایک اہم خدمت گذار اور محبِ اُردو کی حیثیت سے بھی وہ اپنے وجود کا احساس دلا رہے تھے۔ وہ میری ابتدائی شاعری کا زمانہ تھا ڈاکٹر صاحب اُس زمانے میں شہر کے بڑے معیاری اور نمائندہ مشاعروں میں شرکت فرمایا کرتے تھے ڈاکٹر صاحب کو اُردو ادب، خاص طور پر اُردو شعری ادب سے گہری وابستگی ہے بالخصوص اُبھرتے ہوئے نئے شاعروں کی حوصلہ افزائی میں وہ پیش پیش رہتے ہیں

ڈاکٹر صاحب کا اِس طرح کا مزاج ابتداء ہی سے ہے۔ ۲۵، ۳۰ سال پہلے تک شہر کی اعلیٰ سوسائٹی کی بعض نمائندہ شخصیتوں کی رہائش گاہوں پر بڑے ہی اہتمام سے مشاعرے منعقد ہوا کرتے تھے۔ میں اکثر و بیشتر اُن مشاعروں میں نہ صرف شاعر کی حیثیت سے بلکہ معتمدِ مشاعرہ کی حیثیت سے بھی شریک رہتا تھا۔ مجھے اِس وقت ماہرِ اقبالیات ڈاکٹر رحیم الدین کمال کے بنجارہ ہلز کے نو تعمیر شدہ عالیشان مکان میں منعقدہ مشاعرہ کی یاد آرہی ہے جس میں شہر کے نہایت ہی باذوق خواتین و حضرات نے شرکت کی تھی عشائیہ کے بعد مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا تھا اُن دنوں ہندوستان کے شمالی مشرقی علاقوں پر چین نے حملہ کیا تھا بریگیڈیر سعید محاذِ جنگ پر کسی نامعلوم مقام پر پھنسے ہوئے تھے جن کا کوئی پتہ نہ چلنے کی وجہ سے خاص طور پر ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید اور اُن کے متعلقین بے حد پریشان تھے اُس محفلِ مشاعرہ میں جناب سید ہاشم علی اختر صاحب بھی موجود تھے جو اُس زمانے میں حکومتِ آندھرا پردیش کے جنرل اڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ میں ڈپٹی سکریٹری پولیٹکل تھے دورانِ مشاعرہ کئی اہم فون ریسیو کرتے رہے لیکن مشاعرہ میں خلل پڑنے نہیں دیا۔ محفلِ شعر جاری رہی وہ اعلیٰ درجہ کا حیدرآبادی تہذیب و روایات کا نمائندہ مشاعرہ تھا اُس مشاعرہ میں شہر کے مخصوص مگر منتخب شاعروں نے کلام سنایا تھا حضرت سید شہیدی، کنول پرشاد کنول، رشید اختر اور ناصر کرنولی بھی مدعو تھے خاتون شعراء میں عظمت عبدالقیوم اور ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید نے شرکت کی تھی

ڈاکٹر سید عبدالمنان ادارۂ ادبیاتِ اردو (ایوانِ اردو) کے اکثر مشاعروں میں جبکہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور بہ قیدِ حیات تھے شرکت کیا کرتے تھے انجمن ترقی اردو کے تمام اہم اور قابلِ ذکر ادبی و شعری تقاریب میں لازماً شریک رہتے ہیں مولوی حبیب الرحمٰن صدر انجمن ترقی اردو تھے ڈاکٹر سید عبدالمنان نائب صدر اور جناب عابد علیخان معتمد انجمن تھے مولوی حبیب الرحمٰن اور جناب عابد علی خان کی راست نگرانی میں انجمن کے زیر اہتمام علمی و ادبی تقاریب منعقد ہوا کرتی تھیں ڈاکٹر حسینی شاہد سکریٹری انجمن و پرنسپل اردو کالج اور سرینواس لاہوٹی شریک معتمد انجمن بھی اہم حصہ ادا کرتے تھے ڈاکٹر صاحب کا شعری ذوق نہایت نکھرا ستھرا ہے اچھے اشعار پر کھل کر داد دیتے ہیں جناب عابد علی خان کی رہائش گاہ عابد منزل (واقع لکڑی کا پل) میں منعقد ہونے والی محفلِ مشاعرہ اور محفلِ موسیقی میں شریک رہتے تھے عابد علی خان صاحب کے دولت خانہ پر منتخب اعلیٰ و معیاری محفلیں ہوتی تھیں پرتکلف عشائیہ کے بعد محفل آراستہ کی جاتی تھی۔ فیض احمد فیض، مجروح سلطانپوری، خمار بارہ بنکوی، علی سردار جعفری نے بھی شرکت کی ہے ان کے علاوہ ریاستی حکومت اور حکومت ہند کے بعض وزراء اور اعلیٰ عہدہ دار بھی شریکِ محفل رہتے تھے۔ مشاعرہ ہوتا۔ محفلِ موسیقی ہوتی، عزیز احمد خان وارثی اور شکیلہ بانو بھوپالی کی قوالی ہوتی۔ شنکرا بائی اور جمیلہ بانو کی غزل سرائی ہوتی۔

اُردو زبان و ادب سے بے پناہ دلچسپی کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو شہر کے بعض بڑے اور معیاری علمی و ادبی اداروں، انجمنوں کے سربراہ اور ایک اہم رکن کی حیثیت حاصل ہے انجمن ترقی اُردو، ادبی ٹرسٹ اُردو آرٹس کالج، اُردو اور بینٹل کالج کے صدر رہیں۔ ادارۂ میرا شہر میرے لوگ، ایوانِ پرنس معظم جاہ شجیع اور ماہنامہ "خوشبو کا سفر" کے سرپرست ہیں جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نوجوان شاعروں کی حوصلہ افزائی میں پیش پیش رہتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۷۶ء میں کنگ کوٹھی کے احاطہ میں کل ہند مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیر اہتمام عظیم الشان پیمانے پر مشاعرہ منعقد ہوا تھا اس مشاعرہ میں دلیپ کمار صاحب نے خاص طور پر شرکت کی تھی ڈاکٹر صاحب اس مشاعرہ کے روح رواں تھے اور جناب شاذ تمکنت معتمدِ مشاعرہ۔ اُس مشاعرہ میں شرکت کرنے اور کلام سُنانے کے لئے ڈاکٹر صاحب نے مجھے بھی بطورِ خاص خط لکھ کر مدعو کیا تھا (ڈاکٹر صاحب کی وہ تحریر آج بھی میرے پاس محفوظ ہے) اس مشاعرہ میں شہر کے تقریباً تمام نمائندہ شاعروں حضرت سعید شہیدی کنول پرشاد کنول، شاذ تمکنت، خیرات ندیم، امیر احمد خسرو کے علاوہ نوجوان نمائندہ شاعروں میں رئیس اختر اور ناصر کرنولی بھی مدعو تھے وہ مشاعرہ ایک تاریخی و یادگار مشاعرہ تھا جس میں ہزاروں شائقین شعر و ادب اور پرستارانِ دلیپ کمار نے شرکت کی تھی اس مشاعرہ کے انعقاد کا سہرا ڈاکٹر صاحب کے سر جاتا ہے مشاعرے کے انعقاد کے سلسلے میں صدر کل ہند

مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی جناب آصف پاشاہ ریاستی وزیر قانون کی دلچسپی بھی شامل تھی۔

ڈاکٹر صاحب شاعروں، ادیبوں، صحافیوں، گلوکاروں کے علاوہ اُن تمام محبانِ اردو سے بھی محبت رکھتے ہیں جو اپنی زبان اور تہذیب سے والہانہ وابستگی رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے کلینک کا دروازہ ہر اُس شاعر و ادیب و صحافی و گلوکار کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا ہے جو ڈاکٹر صاحب کی مسیحائی سے متاثر ہے دوسروں کے مقابلے میں اہلِ قلم حضرات کی پذیرائی کو ڈاکٹر صاحب اولیت دیتے ہیں نہ صرف مرض کی تشخیص ہی کرتے ہیں بلکہ اپنے پاس سے دوائیاں بھی دیتے ہیں۔ میں جن کی بھی سفارش کرتا ہوں وہ ڈاکٹر صاحب کی چشم کرم سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سبھوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں خود مجھے بھی ۲، ۳ بار ڈاکٹر صاحب کے زیرِ علاج رہنا پڑا۔ ڈاکٹر صاحب ایک مہربان ڈاکٹر کی طرح میری بہترین صحت کے متمنی رہا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اس قدر با مروت انسان ہیں کہ اُن کے ہاں "نہیں" کا لفظ ہے ہی نہیں۔ جب کبھی میں فون پر گفتگو کرتے ہوئے اُن سے ملاقات کی خواہش کرتا ہوں تو فرماتے ہیں ضرور آئیے۔ ایک کامیاب ڈاکٹر کی حیثیت سے جہاں اُن کی خدمت خلق، اجالوں کی بشارت دیتی ہے وہیں اردو زبان و ادب کے لئے بھی اُن کی خدمات قابلِ رشک و لائق تحسین ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ خواہش رہتی ہے کہ

اردو زبان و ادب کا کام جہاں کہیں بھی مثبت انداز میں ہو رہا ہے جاری رہنا چاہیئے۔ میری خواہش پر ڈاکٹر صاحب نے ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی سرپرستی قبول کی۔ ڈاکٹر صاحب ایوان پرنس معظم جاہ شجیع کی محفلوں اور ماہنامہ خوشبو کا سفر کی مقبولیت پر خوش ہوتے ہیں اور بہتر کارکردگی کو سراہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب قیام ادبی ٹرسٹ (۱۹۶۶ء) سے ہی ادبی ٹرسٹ کے ٹرسٹی ہیں ادھر کچھ برسوں سے وہ ادبی ٹرسٹ کے صدر نشین ہیں یہ بات مجھے ہمیشہ اچھی معلوم ہوتی ہے کہ علمی و ادبی انجمنوں میں مناسبت و موزونیت کے اعتبار سے ہی مناسب شخصیتوں کو مناسب عہدوں پر فائز کیا جاتا رہے۔ ہر سال، دو سال، تین سال کے بعد انتخابات کے طریقۂ کار سے زیادہ بہتر ہے کہ نامزدگی کے طریقۂ کار کو اپنایا جائے ورنہ ارکان کا ۲، ۲، ۳، ۳ گروپس میں بٹ جانے کا امکان رہتا ہے ادبی ٹرسٹ کے پہلے صدر نواب مہدی نواز جنگ تھے ان کے انتقال کے بعد جناب ایل این گپتا صدر رہے۔ ان کے بعد جناب حامد علی عباسی صدر نشین رہے۔ حامد علی عباسی کے دور میں بھی ادبی ٹرسٹ کی سرگرمیاں محدگی کے ساتھ جاری رہیں۔ ان کے بعد ڈاکٹر سید عبدالمنان کو صدر نشین کی حیثیت سے نامزد کیا گیا۔ جناب عابد علی خان مدیر سیاست ادبی ٹرسٹ کے فونڈر ٹرسٹی تھے تاحیات اس عہدہ پر فائز رہے عابد علی خان صاحب کے انتقال کے بعد جناب زاہد علی خان ٹرسٹی کو مینیجنگ ٹرسٹی

کی حیثیت سے نامزد کیا گیا۔ جناب زاہد علی خان نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں راقم الحروف (صلاح الدین نیر) قیام ادبی ٹرسٹ یعنی ۳۵ سال سے جناب عابد علی خان کی خواہش پر انچارج ادبی ٹرسٹ کی حیثیت سے اعزازی طور پر خدمات انجام دے رہا ہے اُس وقت جناب عابد علی خان صاحب نے جناب محبوب حسین جگر کی موجودگی میں فرمایا تھا "نیر میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم ادبی ٹرسٹ کے کاموں میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔ تم کو بلا معاوضہ (اعزازی طور پر) ٹرسٹ کا کام کرنا ہوگا کیونکہ ادبی ٹرسٹ شاعروں، ادیبوں کی مالی اعانت کے لئے قائم کیا گیا ہے" میں نے فوراً کہا تھا یہ بات میرے لئے باعث اعزاز ہے کہ میں آپ کے اعتماد میں کام کروں اور کہا تھا کہ میں اُس وقت تک کام کرتا رہوں گا جب تک کہ آپ کا اعتماد باقی رہے گا جناب عابد علی خان کی حیات تک میں اعتماد کی فضاء میں کام کرتا رہا اور آج بھی جناب زاہد علی خان صاحب کی راست نگرانی میں بھرپور اعتماد کی فضاء میں ادبی ٹرسٹ کے آفس انچارج کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں کی شہرت تو عالمگیر ہے ساری اردو دنیا ادبی ٹرسٹ کی سرگرمیوں سے واقف ہے ادبی ٹرسٹ کی جانب سے شاعروں، ادیبوں کی کتابوں کی اشاعت کے علاوہ طبی اعانت کے لئے بھی امداد دی جاتی ہے۔ اِدھر کچھ برسوں سے میڈیکل سائنس اور انجینئرنگ کالج کے طلباء کو بھی ٹرسٹ کی جانب سے

تعلیمی امداد دی جارہی ہے ادبی ٹرسٹ کے ارکان (ٹرسٹیز) کا خاص وصف یہ ہے کہ ٹرسٹ کا جاہے وہ کوئی بھی فیصلہ کیوں نہ ہو انتہائی خوشگوار ماحول میں طے پاتا ہے ادبی ٹرسٹ کے اجلاس میں تمام مسائل پر نہایت عمدگی و سنجیدگی کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے قیام ۳۰ را پریل ۱۹۹۱ء کے بعد سے ہی ادارہ کے سرپرست ہیں۔ دیگر سرپرستوں میں گیان پیتھ ایوارڈ یافتہ شاعر پدم وبھوشن ڈاکٹر سی نارائن ریڈی ایم پی، پروفیسر جعفر نظام سابق وائس چانسلر کاکتیہ یونیورسٹی، خلیل الرحمن سابق ایم پی اور کے وی رمنا چاری آئی اے ایس شامل ہیں ادارہ میرا شہر میرے لوگ ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے جس کے تعاون سے حکومت آندھراپردیش کے محکمہ تہذیبی و ثقافتی امور نے پرانے شہر میں واقع مال والا پیالیس میں مئی ۱۹۹۱ء میں اردو، ہندی کا ملا جلا گنگا جمنی شاندار مشاعرہ زیر صدارت جناب عابد علی خان، مدیر سیاست منعقد کیا تھا جس میں ۳۵ شاعروں نے کلام سنایا تھا۔ حکومت کی جانب سے ان تمام شاعروں کو گیہہ زر پیش کرنے کے علاوہ اعزازات سے نوازا گیا۔ اس مشاعرہ کے انعقاد کا سہرا اردو زبان و تہذیب کے دلدادہ ڈائرکٹر کلچرل افیرز جناب کے وی رمنا چاری کے سر جاتا ہے جو ٹھیٹ حیدرآباد کی ہیں۔ رمنا چاری صاحب میرے بہترین دوستوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے ڈائرکٹر کلچرل افیرز کی حیثیت سے رویندرا بھارتی تھیٹر میں کئی

اُردو پروگراموں کا اہتمام کیا۔ دو سال پہلے اُن کے تعاون سے لراج بھون میں بھی ایک نمائندہ مشاعرہ ہوا۔ جس کے میزبان محفل گورنر صاحب آندھرا پردیش ڈاکٹر سی رنگا راجن تھے۔ کنوینر و ناظم مشاعرہ کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی تھی مشاعرہ میں حضرت سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی صلاح الدین نیّر، رئیس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی، نہپال سنگھ ورما علی الدین نوید، اثر غوری، مومن خان شوق اور شفیع اقبال نے کلام سُنایا تھا اس موقع پر گورنر صاحب نے تمام شاعروں کو شال اوڑھا کر اُن کی عزت افزائی کی تھی اِس وقت ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے عہدہ داروں میں صلاح الدین نیّر صدر، ڈاکٹر علی احمد جلیلی، ڈاکٹر صادق نقوی اور نہپال سنگھ ورما نائب صدور، رئیس اختر معتمد عمومی، مومن خان شوق معتمد ہیں (صلاح الدین نیّر بانی جنرل سکریٹری ہیں) ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے ارکان کی تعداد زائد از ۳۰۰ ہے اس ادارہ کے زیر اہتمام اُجالوں کے مسافر کے زیر عنوان ڈاکٹر علی احمد جلیلی ایم باگاریڈی ایم پی، پروفیسر حبیب ضیاء، خلیل الرحمٰن سابق ایم پی، پروفیسر احمد اللہ خان، نامور انجنیر ولی قادری، ڈاکٹر صادق نقوی نہپال سنگھ ورما، عبدالرحیم آرزو اور دیگر حضرات کے خدمات کے اعتراف میں ادبی تقاریب منعقد کی جا چکی ہیں اور اوراق ماضی کے زیر عنوان علامہ حیرت بدایونی، شاہد صدیقی، پروفیسر سید محمد ڈاکٹر حفیظ قتیل، قاضی میر لطف علی عارف ابو العلائی، اوج یعقوبی،

مہمان ادیب، حیرت ندیم، طالب زرافی، عوض سعید، بوگس حیدرآبادی
خراج عقیدت پیش کیا جا چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ادارۂ میرا شہر میرے
لوگ کی ہر اہم ادبی تقریب میں شرکت فرماتے ہیں ڈاکٹر صاحب کی صدارتی
تقریر نہایت مختصر مگر جامع ہوتی ہے ان کی تقریر، زبان و ادب کے
طالبعلموں ہمیشہ حوصلہ افزا رہتی ہے ڈاکٹر صاحب اردو زبان کی ترقی و
ترویج کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اردو زبان کے تعلق سے کبھی مایوسی کی
بات نہیں کرتے ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعض جملے پُرمزاح بھی ہوتے ہیں
حال گذشتہ (۲۵ اپریل ۲۰۰۰ء) مولانا ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹیٹیوٹ
میں ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے زیر صدارت ڈاکٹر سید
عبدالمنان، علامہ حیرت بدایونی کی یاد میں "اوراقِ ماضی" کے زیر عنوان
ادبی اجلاس ہوا تھا۔ علامہ حیرت بدایونی، ڈاکٹر صاحب کے بہت
ہی قریبی دوست رہے ہیں ڈاکٹر صاحب نے علامہ حیرت بدایونی سے
اپنے دیرینہ مراسم کے حوالے سے یہ بھی فرمایا تھا کہ (ممکن ہو یہ بات
مذاق کے طور پر کہی ہو) علامہ حیرت بدایونی ہر مشاعرہ میں کامیاب
ہونے کے آرزومند رہتے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ علامہ نے
مجھ سے فرمایا تھا کہ ڈاکٹر صاحب آج مجھے بڑے مشاعرے میں کلام سنانا
ہے مجھے ایک ایسی گولی دیجئے کہ میں زیادہ کامیاب رہوں۔ ڈاکٹر صاحب
نے حسب خواہش ایک گولی دی۔ علامہ مشاعرہ میں کامیاب رہے۔ کچھ
دنوں کے بعد پھر آئے کہنے لگے آج بہت بڑا مشاعرہ ہے بہت

ہی بڑھیا گولی دیجیئے تاکہ میں مارے مشاعرہ پر چھا جاؤں۔ لیکن آپ سے یہ درخواست ہے کہ یہ گولی کسی اور شاعر کو مت دیجیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مشاعرہ مار لے اور میں رہ جاؤں۔ (اس آخری جملہ پر ہال قہقہہ زار بن گیا تھا)۔

ڈاکٹر صاحب، والا شان پرنس معظم جاہ شجیع کی یاد میں قائم کردہ ادبی انجمن ایوان پرنس معظم جاہ شجیع کے سرپرست ہیں اس انجمن کی تشکیل کا پس منظر کچھ اس طرح کا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ایک ملاقات میں مجھ سے فرمایا کہ پرنس شہامت جاہ کو شعر و شاعری کا بہت شوق ہے اُن کی خواہش ہے کہ آپ اُن کے استاد کی حیثیت سے رہبری کریں۔ واضح باد کہ ڈاکٹر منان صاحب والا شان پرنس معظم جاہ شجیع کے خاص معالج رہے ہیں بلکہ آخری والئی ریاست حیدرآباد آصف سابع نواب میر عثمان علی خان کے بھی خصوصی معالج رہے ہیں اس وقت پرنسس انوری بیگم (بیگم پرنس معظم جاہ شجیع) اور پرنس شہامت جاہ کے بھی معالج ہیں۔ پرنسس انوری بیگم اور پرنس شہامت جاہ ڈاکٹر صاحب کی بے انتہا تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور اپنے نجی معاملات میں مشورہ بھی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جب پہلی دفعہ پرنس شہامت جاہ سے ملاقات کے لئے ارشاد فرمایا تو میں نے ہاں ضرور کہا لیکن میں نے ملاقات نہیں کی۔ دوسری دفعہ بھی ایسا ہی ہوا! البتہ تیسری دفعہ میں ڈاکٹر صاحب کی بات ٹال نہیں سکا۔ دراصل میں

اپنی ادبی مصروفیات کی وجہ سے تامل کر رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر میں
ہفتہ میں پانچ دن ایک گھنٹہ وقت دیتا تھا۔ اس اثناء میں پرنس شہامت
جاہ کے دو شعری مجموعے شمع فروزاں (۱۵۲ صفحات) اور صبح درخشاں
(۱۵۲ صفحات) شائع ہوئے۔ تمام کی تمام غزلیں میرے تخلیقی فیضان، میری
عرق ریزی اور خاص توجہ کی حامل ہیں۔ پرنس شہامت جاہ ایوانِ
شجیع کے ہر مشاعرہ میں کہتے ہیں کہ نیر صاحب میرے استاد ہیں اور
ان کی سرپرستی و رہبری میں میرا شعری جاری ہے پرنس شہامت جاہ کا تیسرا
مجموعۂ کلام زیر ترتیب ہے پرنس شہامت جاہ سے پہلی ملاقات کے کچھ
دن بعد میں نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب ایک
تجویز میرے پیش نظر ہے۔ میں نے مشورۃً کہا تھا کہ ایک ادبی انجمن
ایوانِ پرنس معظم جاہ شجیع کے نام سے قائم کی جانی چاہیئے جس سے
والا شان پرنس معظم جاہ شجیع کا نام ادبی حلقوں میں کئی برسوں تک
گونجتا رہے گا۔ آصف جاہی خاندان کی علمی و ادبی خدمات کو بھی
یاد کیا جاتا رہے گا۔ ہر ماہ مشاعرے کے انعقاد سے پرنس معظم جاہ
شجیع کا بار بار تذکرہ اخباروں کی زینت بنتا رہے گا پرنس شہامت
جاہ اور ان کی شاعری سے بھی شعری و ادبی حلقے واقف ہوتے رہیں گے
ڈاکٹر صاحب کو میری تجویز پسند آئی۔ پھر میں نے یہ تجویز ڈاکٹر صاحب
کے حوالے سے پرنسس انوری بیگم اور پرنس شہامت جاہ کے سامنے
رکھی۔ ان دونوں نے نہ صرف اس تجویز کو پسند کیا بلکہ بے حد خوش

ہوئے۔ تجاویز کی منظوری کے بعد انجمن قائم کی گئی۔ فرن ولا (رہائش گاہ شجاعت جاہ) میں مشاعروں کا آغاز ہوا۔ ایوانِ شجیع کے سرپرست اعلیٰ پرنسس النوری بیگم، سرپرست ڈاکٹر سید عبدالمنان اور میزبانِ محفل پرنس شجاعت جاہ ہیں۔ صلاح الدین نیر صدر کی حیثیت سے اور رئیس اختر معتمد عمومی نامزد کیے گئے۔ کچھ عرصے بعد مومن خان شوق معتمد ایوانِ شجیع مقرر ہوئے۔ ایوانِ شجیع کے مشاعروں میں شہر کے نمائندہ شعراء شرکت کیا کرتے ہیں مشاعرہ کی صدارت کبھی حضرت سعید شہیدی کرتے تو کبھی ڈاکٹر علی احمد جلیلی کرتے رہے۔ ڈاکٹر سید عبدالمنان ہر ادبی اجلاس کے صدر رہتے ہیں۔ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے جناب خلیل الرحمٰن سابق ایم پی کی شرکت نمایاں حیثیت کی حامل رہتی ہے قیام انجمن کے بعد صرف ایک مشاعرہ میں خلیل الرحمٰن صاحب شرکت نہ کر سکے۔ جناب آصف پاشاہ سابق ریاستی وزیرِ قانون اور بعض علم دوست اصحاب بھی مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرتے رہے۔ جناب محمود بن محمد سابق سفیر ہند برائے سعودی عرب پروفیسر جعفر نظام سابق وائس چانسلر کاکتیہ یونیورسٹی ورنگل، نامور انجینیر جناب ولی قادری اور جناب غلام صادق الدین جنرل سکریٹری پیس کمیٹی سائفنزون اولڈ سٹی بھی مہمانانِ خصوصی رہ چکے ہیں ان کے علاوہ امریکہ، کینیڈا، لندن، سعودی عرب میں مقیم نامور شخصیتوں نے بشمول جناب سعید بن محسن باغزل صدر بزمِ عثمانیہ (جدہ) جنرل سکریٹری

بزمِ عثمانیہ حیدرہ عارف قریشی نے بھی مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی ہے ایوانِ شجیع کے مشاعرے قدیم حیدرآبادی تہذیب و روایات کے آئینہ دار ہوتے ہیں صرف مدعو شعراء و سامعین ہی شرکت کیا کرتے ہیں۔ نہایت پُر وقار و تہذیبی اقدار کے ماحول میں مشاعرے جاری رہتے ہیں مشاعرہ گاہ پرنسس الذری بیگم کی راست نگرانی میں آراستہ کیا جاتا ہے شمعِ محفل فرزدان رہتی ہے مہمانوں و شعراء کی نشستوں کا خاص اہتمام رہتا ہے اردو ہندی کے نامور شعراء شرکت کیا کرتے ہیں اُن میں سے کچھ شعراء کے نام یہ ہیں۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی، صلاح الدین نیئر، رئیس اختر ڈاکٹر صادق نقوی، نہال سنگھ ورما، ناصر کرنولی، اثر غوری، ڈاکٹر راہی قاضی انجم عارفی، بشیر امجد، پرنس شہامت جاہ، شاغل ادیب، مومن خان شوق، یوسف یکتا، شفیع اقبال، ہاشم حسن سعید، ڈاکٹر راندو وشنت ڈاکٹر ایلیا مشرا، ڈی مادھوی، رشید جلیلی، باسط نقوی، عبدالرزاق شوق، فاروق عارفی، نانک سنگھ نشتر، کھوی گارو، امباجی راؤ شاد جگجیون لال استفسار، سحر، عبدالوہاب عنبر افغان۔ سعید شہیدی مرحوم مرزا وحید بیگ، افضل تسلیم بھی شرکت کرتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید ناسازیٔ مزاج کی وجہ سے بھی کبھی شرکت کر رہی ہیں۔ اضلاع کے نمائندہ شاعروں میں عبدالرحیم آرزو، گوہر کریم نگری، حفیظ انجم، محبوب کوثر وقار یاض، جمیل نظام آبادی، تاج مضطر نے بھی شرکت کی ہے ایوانِ شجیع کی ہر محفل ڈاکٹر صاحب کے مشورہ سے منعقد کی جاتی ہے۔ میرے

مجموعۂ کلام "کیا کیا جائے" کی رسمِ اجراء تقریب ۲۰ مارچ ۱۹۹۵ء کو راج بھون میں منعقد ہوئی تھی۔ گورنر آندھرا پردیش جناب کرشن کانت میزبانِ محفل تھے اور ڈاکٹر سی نارائن ریڈی نے صدارت کی تھی ڈاکٹر سید عبدالمنان اور پروفیسر جعفر نظام مہمانانِ خصوصی تھے ڈاکٹر منان صاحب کو اس رسمِ اجراء تقریب میں بطورِ خاص مدعو کیا گیا تھا گورنر صاحب نے رسمِ اجراء انجام دی تھی گورنر صاحب کی خواہش پر رسمِ اجراء تقریب کے بعد مشاعرہ ہوا جس میں منتخب شعراء ڈاکٹر سی نارائن ریڈی، سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی، صلاح الدین نیر، رئیس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی، نہال سنگھ ورما، قاضی انجم عارفی، ڈاکٹر راہی، شفیع اقبال اور مومن خاں شوق نے کلام سنایا۔ جناب رئیس اختر معتمد مشاعرہ تھے۔ ڈاکٹر منان صاحب معاشرہ کی ہر سطح پر اپنی منفرد پہچان کے ساتھ شہرت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی ساری زندگی ایک طویل خدمات کی اعلیٰ مثال ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ انھیں زبان و ادب کی خدمت کے لئے ہی نہیں ایک طبیبِ حاذق اور ہمدرد مسیحا کی حیثیت سے بھی سایہ دار درخت کی طرح باقی رکھے۔ حیدرآباد کی اعلیٰ روایات کی پاسداری کے لئے بھی ڈاکٹر صاحب کی سرپرستی کی ہمیں ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب نہایت خلیق، بامروت اور مہذب انسان ہیں، نرم گفتاری، شگفتہ مزاجی اور ان کی اعلیٰ ظرفی ہم سبھوں کے لئے سایہ فگن ہے۔ اس نیک انسان پر ہمیشہ خدا مہربان رہے گا۔ میرا دل کہتا ہے ____

نواب شاہ عالم خان

عطر بیز فضاؤں میں مہکنے والی حیدرآبادی تہذیب کی نمائندہ شخصیت

حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی عطر بیز فضاؤں میں مہکنے والی شگفتہ پھولوں کی بھیتی بھینی خوشبوؤں سے دل و دماغ کو راحت پہونچانے والی حیدرآبادی تہذیب کی نمائندہ شخصیتوں کا جہاں کہیں بھی ذکر آئے گا۔ اُن شخصیتوں کی فہرست کے ابتدائی ناموں میں نمایاں اور روشن ترین نام نواب شاہ عالم خان کا بھی نظر آئے گا۔ مہکتی، جھومتی، شرافت، نفاست، محبت و مروت، رواداری اور وضعداری کی کہکشاں سے پُر نُور ماحول کی پروردہ، برگزیدہ شخصیت نواب شاہ عالم خان کے ذکر سے ہی محسوس ہوتا ہے کہ ہم ایک ایسی پُروقار شخصیت کے روبرو کھڑے ہوئے ہیں جس کے جسم و جاں کی مہک سارے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔

نواب شاہ عالم خان ہمارے شہرِ محبت کی اعلیٰ سوسائٹی کی

صفِ اول کی نمائندہ شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔ شرافت پسند، محبت نواز، انسانیت دوست لوگوں کا ذکر کرنا اور ان آئینہ صفت ہستیوں سے ملنے کی خواہش رکھنا ہی خوش مزاجوں اور خوش نصیبوں کے لئے ایک مژدۂ جاں فزا ہے اور یہ ایک ایسی طلب ہے جس کے خیال ہی سے فکر و نظر کے آئینے جگمگانے لگتے ہیں۔

نواب شاہ عالم خان ہمارے شہر کے لئے ایک ایسا کوہ نور بھی ہیں جس کی چمک سے تہذیب و ثقافت، شرافت و صداقت اور علم و حکمت کی ساری عمارتیں جگمگانے لگتی ہیں۔ ہم حیدرآبادیوں کے لئے یہ بات باعث صد افتخار ہے کہ نواب شاہ عالم خان جیسی پاک و صاف، آئینہ مثال شخصیت ہم میں موجود ہے۔

میں جب ۱۹۵۹ء میں اخبار "سیاست" سے وابستہ ہوا تو رفتہ رفتہ مجھے شہر کی تقریباً تمام نمائندہ شخصیتوں سے چاہے ان کا تعلق کسی بھی شعبۂ حیات سے کیوں نہ ہو ملنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملتا رہا۔ نواب صاحب کو میں شہر کی نمائندہ محفلوں میں اکثر دیکھا کرتا تھا۔

جناب عابد علی خان صاحب مدیر "سیاست" سے ان کے گہرے مراسم تھے عابد علی خان صاحب کے زیرِ انتظام مختلف تہذیبی و ادبی تقاریب میں نواب صاحب مدعو رہتے تھے نواب صاحب نے جب

انوار العلوم کالج کے سربراہ کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھالی تو کالج کی ہر سطح کو بلندیوں پر پہونچا دیا۔ نواب صاحب ممتاز عثمانین ہیں وہ عثمانیہ یونیورسٹی کی مختلف کمیٹیوں میں رہ چکے ہیں نواب صاحب نے اپنے بہترین مراسم کی بنیاد پر اُس وقت کے وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ، ممتاز عثمانین ڈاکٹر نونیت راؤ اور حکومت آندھرا پردیش کے ارباب مجاز کے تعاون سے انوار العلوم کالج کو ایک خود مختار ادارہ بنا دیا۔ یہ نواب صاحب کا غیر معمولی کارنامہ ہے آج انوار العلوم کالج میں ہر قسم کی عصری تعلیم دی جاتی ہے نواب شاہ عالم خان نے کئی تعلیمی شعبے قائم کیئے ہیں شہر کے پرائیویٹ کالجس میں انوار العلوم کالج بھی اپنی اعلیٰ درجہ کی تعلیمی سرگرمیوں کی وجہ سے بہت ہی اونچے مقام پر ہے نواب صاحب کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے کالج کے انتظامیہ کی جانب سے مختلف اوقات میں تعلیمی و تہذیبی تقاریب ہوا کرتی ہیں۔

جناب عابد علی خان صاحب کے مراسم کی طرح نواب شاہ عالم خان صاحب کے مراسم بھی سابق گورنر آندھرا پردیش جناب کرشن کانت (موجودہ نائب صدر جمہوریہ ہند) سے بہت ہی خوشگوار اور مثالی تھے کالج کی بعض تقاریب میں گورنر صاحب کو مدعو کیا جاتا رہا۔ سابق گورنر آندھرا پردیش محترمہ کمود بین جوشی نے بھی انوار العلوم کالج

کی علمی فضاؤں کو اپنے عمدہ اور متاثر کن خیالات سے منور کیا تھا۔ انوارالعلوم کالج کی بہترین کارکردگی اور نمایاں ترقی نواب صاحب کا مقصدِ حیات ہے ویسے نواب صاحب اپنے مقصدِ حیات میں کامیاب ہو چکے ہیں کالج کا انتظامیہ قابلِ اعتماد ہے کالج کے سکریٹری نواب محبوب عالم خان زبردست اڈمنسٹریٹر ہیں۔ ڈسپلین کے معاملے میں بھی یہ کالج قابلِ تقلید ہے۔ تعلیم کا معیار بھی بہت اونچا ہے قابل ترین اساتذہ کی خدمات سے طلباء اپنے دل و دماغ کو روشن کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں، میں خاص طور پر اپنی واقفیت کی بناء پر ڈاکٹر مصطفیٰ کمال، آمنہ انصاری، نہپال سنگھ ورما اور آنندراج ورما کا نام لینا چاہوں گا۔ لائق اساتذہ نے نواب صاحب کے روشن خواب کو حقیقت میں بدل دیا ہے نواب شاہ عالم خان اور نواب محبوب عالم خان صاحب کے علاوہ کالج کے اساتذہ نے بھی کالج کی ترقی و بہتری کے لئے کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ نواب صاحب، شعر و ادب کے گنگا جمنی ماحول کی وجہ سے ہندی اُردو کے نامور شاعر و ادیب نہپال سنگھ ورما سے ذہنی طور پر بہت زیادہ قریب ہیں نواب صاحب۔ نہپال سنگھ ورما کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔ ورما صاحب کی کالج سے وفاداری انتظامیہ سے ان کی گہری وابستگی، تعلیمی و تہذیبی امور میں اُن کی دیانتداری اور اُن کے حسنِ عمل کو کالج کا ہر شخص خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ ورما صاحب کی

قابلیت اور ان کی کالج سے والہانہ وابستگی کا ہی نتیجہ ہے کہ صدر شعبۂ ہندی کی حیثیت سے وظیفہ حسن خدمت کے بعد بھی وہ کالج سے وابستہ ہیں۔ نواب صاحب نے مجھ سے ایک ملاقات میں جو اُن کی سگریٹ فیکٹری میں ان کے اجلاس پر ہوئی تھی فرمایا تھا کہ میں جب تک زندہ ہوں ورما میرے کالج میں میرے ساتھ رہیں گے۔ میں ان کو کالج سے دُور رکھنا نہیں چاہتا۔ اس موقع پر ورما صاحب بھی موجود تھے تین سال پہلے نواب صاحب سے فون پر وقت لے کر ہم دونوں تقریباً ۱½ بجے دوپہر ملاقات کے لئے ان کے آفس پہونچے تھے میرے ملنے کا مقصد خوشبو کا سفر کے لئے گولکنڈہ سگریٹ فیکٹری کا اشتہار لینا تھا۔ جب میں نے اپنے آنے کی وجہ بتائی تو نواب صاحب نے فرمایا خوشبو کا سفر کے لئے ہر ماہ اشتہار ملتا رہے گا تقریباً تین سال سے ہر ماہ خوشبو کا سفر کے لئے اشتہار مل رہا ہے اس ملاقات کے دوسرے یا تیسرے دن نواب صاحب نے اپنی جانب سے خوشبو کا سفر کے لئے خیر ما نگے پانچ ہزار روپے کا چیک روانہ فرمایا۔ بغیر کسی طلب کے نواب صاحب کی عنایت نے مجھے مزید متاثر کیا۔

نواب صاحب کی کرم فرمائیاں خوشبو کا سفر کے لئے ہی نہیں بلکہ اردو زبان و ادب، تہذیب و ثقافت کے لئے ایک نعمت

غیر مترقبہ ہیں۔ نواب صاحب کا ہاتھ بہت کشادہ ہے کشادہ
دل کی طرح۔ میں واقف ہوں کہ شہر کی بعض معیاری و منتخب
انجمنوں کے خصوصی جلسوں کے لئے نواب صاحب سرپرستی فرماتے ہیں
خوشبو کا سفر کے سلسلے کی اس ملاقات سے کچھ دن پہلے
میں نواب صاحب سے کسی ادبی کام کے سلسلے میں اُن کے آفس
پہونچا تھا۔ میں نے اُس دن صبح نواب صاحب کو فون کر کے ملاقات
کا وقت لے لیا تھا۔ آفس پہنچتے ہی میں نے اپنا وزیٹنگ کارڈ
اٹنڈر کے حوالے کیا۔ نواب صاحب کارڈ دیکھتے ہی باہر تشریف
لائے اور مجھے اپنے روم میں لے گئے۔ گرما کا موسم تھا نواب صاحب
نے فرمایا تم کڑی دھوپ میں آئے ہو میں تمھیں ناریل کا پانی
پلانا چاہتا ہوں۔ آفس کے ملازم نے دو تین منٹ میں ناریل کے
پانی سے بھرے ہوئے دو گلاس میز پر رکھ دیئے۔ گفتگو ہوتی
رہی۔ دورانِ گفتگو نواب صاحب، ہاشم علی اختر صاحب،
ڈاکٹر منان صاحب، عابد علی خان صاحب اور پروفیسر جعفر نظام سے
اپنی دوستی اور اپنی طویل رفاقت کا ذکر کرتے رہے۔ اپنی عنایت
سے ہاشم علی اختر صاحب کے نجی خطوط جو دوستانہ مراسم کے
ترجمان تھے، پڑھ کر سنائے۔ اور اُن خطوط کے جواب میں نواب
صاحب نے جو خطوط لکھے تھے وہ بھی سنائے۔ نواب صاحب یہ

بتانا چاہتے تھے کہ ان خطوط میں کہاں کہاں حیدرآباد ہے اور کہاں کہاں حیدرآبادی تہذیب کا ذکر ہے نواب صاحب دراصل شہر کے بہترین لوگوں کے ذکر اور شہر کی تہذیبی روایات کے تذکرہ سے خوشی محسوس کرتے ہیں کبھی کبھی دورانِ گفتگو یہ بھی کہتے رہے۔ تیّر میاں ۔ اب کہاں حیدرآبادی تہذیب باقی رہی۔ نواب صاحب اگرچہ نئی روشنی کا استقبال کرتے ہیں لیکن اُن لوگوں کو اور اُن کے گھرانوں کے ماحول کو معاف کرتے تیار نہیں ہیں جو اپنی تہذیب اپنی اعلیٰ روایات سے دُور ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کامیاب ملاقات کے بعد ہم دونوں دیر تک نواب صاحب کی شائستگی، حیدرآباد اور حیدرآباد کی تہذیب سے اُن کی بے پناہ محبّت کے بارے میں سوچتے رہے۔

جس زمانے میں محترمہ کمودبین جوشی آندھرا پردیش کی گورنر تھیں راج بھون کے دربار ہال میں گولکنڈہ سوسائٹی کا ایک اجلاس زیرِ صدارت گورنر صاحبہ ہوا تھا۔ سوسائٹی کے تقریباً تمام ارکان موجود تھے۔ یہ اجلاس حیدرآباد کے ۴۰۰ سالہ جشنِ تقاریب کو قطعیت دینے کے لئے منعقد ہوا تھا (اس زمانے میں یم چنا ریڈی ریاست کے چیف منسٹر تھے) گولکنڈہ سوسائٹی کے صدر جناب عابد علی خان صاحب تھے نواب صاحب نائب صدر تھے۔ ڈاکٹر کمٹر

سالار جنگ میوزیم ڈاکٹر موہن لعل نگم جنرل سکریٹری تھے اور میں (صلاح الدین نیر) جوائینٹ سکریٹری تھا۔ نواب صاحب اور جناب عابد علی خان صاحب کی نگرانی اور زیر سرپرستی ڈاکٹر موہن لال نگم کی شخصی دلچسپی اور میرے تعاون سے قلی قطب شاہ اسٹیڈیم میں شاندار پیمانے پر ۲۱ اکٹوبر ۱۹۸۹ء کو کل ہند مشاعرہ ہوا تھا جس میں اردو، ہندی کے کئی مہمان شاعروں نے شرکت کی تھی۔ مشاعرہ کی صدارت جناب عابد علی خان نے کی تھی جنوری سنہ ۱۹۹۰ء میں رویندرا بھارتی تھیٹر میں عالمی شہرت یافتہ پاکستان کے نامور گلوکار غلام علی خان کا پروگرام تھا۔ نواب صاحب نے صدارت فرمائی تھی۔ یہ دونوں پروگرامس کو ڈاکٹر نگم کی دلچسپی کی وجہ سے آئی۔ ٹی۔ ٹی نے اسپانسر کیا تھا ان دو روزہ پروگرام کے سلسلے میں ڈاکٹر نگم کی خدمات ناقابل فراموش رہیں۔ راج بھون کے اجلاس میں یہ طئے پایا تھا کہ حیدرآباد کی ۴۰۰ سالہ جشن تقاریب اعلیٰ پیمانے پر منائی جائیں۔ سوسائٹی کا ایک اجلاس نواب شاہ عالم خان کے دولت خانے برکت پورہ میں ہوا تھا جس میں سوسائٹی کے تقریباً تمام ارکان نے شرکت کی تھی۔ نواب صاحب نے پر تکلف عصرانہ دیا تھا نواب صاحب تمام ارکان کے پاس خود پہونچے اور یہ نفس نفیس ان کی تواضع کرتے رہے۔ نواب صاحب کے

اس پُرتکلف عصرانہ پر تبصرہ کرتے ہوئے عابد علی خان صاحب نے فرمایا تھا کہ نواب صاحب نے اتنا کچھ کھلا دیا ہے کہ اب ہمیں شام میں کھانے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ نواب صاحب نے نہایت فراغ دلی کے ساتھ تواضع کی تھی نواب صاحب کی وضع داری اور اُن کی حیدرآبادیت کی ایک اور مثال قابل تقلید ہے
زندہ دلانِ حیدرآباد کی سالانہ کانفرنس کے سلسلے میں نواب صاحب کی صدارت میں فتح میدان کلب کے احاطہ میں ایک عظیم الشان مزاحیہ مشاعرہ ہوا تھا۔ ہزاروں شائقین مشاعرہ نے شرکت کی تھی اس مشاعرہ میں ہلال سیوہاروی نے اپنی ایک معرکتہ الآرا نظم "خون کی مانگ" سنا کر مشاعرہ کو لوٹ لیا تھا مشاعرہ شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے شہ نشین پر پہنچتے ہی میں نے نواب صاحب کو سلام کیا تو نواب صاحب نے کھڑے ہو کر سلام کا جواب دیا۔ جس سے مجھے بے حد شرمندگی ہوئی۔ میں نے فرطِ عقیدت میں نواب صاحب سے کہا کہ آپ کو تشریف رکھنا چاہیئے لوگ آتے رہیں گے آپ کس کس کے لئے اُٹھتے رہیں گے تو نواب صاحب نے دل کو چھونے والی بات برجستہ کہی "تیرنہ جب تک میں زندہ ہوں اپنی وضعداری کو نبھاتا رہوں گا۔ ویسے بھی تیر اب حیدرآبادی تہذیب

ہے کیا ہے حیدرآباد کی پرانی تہذیب کی کہیں کہیں جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ ہمیں اپنی تہذیب کو باقی رکھنا چاہیئے تاکہ آنے والی نسلیں اپنی اسلاف کی روایات کو یاد رکھ سکیں۔ نواب صاحب سے جہاں کہیں بھی ملاقات ہوتی ہے خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔

جس وقت جناب کرشن کانت گورنر آندھرا پردیش تھے تو راج بھون میں بہت سی تہذیبی تقاریب ہوا کرتی تھیں نواب صاحب کو میں نے راج بھون کی ہر تقریب میں V.I.P کی صف میں دیکھا ہے جناب کرشن کانت کی گورنری کے زمانے میں راج بھون کی تقریبًا ہر تقریب میں مدعو رہا ہوں۔ میں نے راج بھون کی تقاریب میں بھی دیکھا ہے کہ شہر کی نمائندہ شخصیتیں نواب صاحب سے کس تپاک طریقے سے ملا کرتی ہیں۔ نواب صاحب کا رکھ رکھاؤ اور اُن کی نشست و برخواست کا انداز بڑا شائستہ ہوتا ہے۔

نواب صاحب پھولوں کے بڑے شیدائی ہیں۔ گلاب کے پھول انہیں بہت زیادہ پسند ہیں وہ گلاب کے پھولوں کی نمائش کے سربراہ رہا کرتے ہیں۔ ایک دفعہ گلاب کے پھولوں کی نمائش کے سلسلے میں جو ہوٹل سرودر میں منعقد ہوئی تھی محترم

جگر صاحب نے مجھے "سیاست" میں رپورٹنگ کے لئے بھیجوایا تھا جب میں نمائش گاہ پہونچا تو میں نے دیکھا کہ گلاب کے مختلف اقسام کے بے شمار پھولوں کے نمونے موجود ہیں نواب صاحب ایک علاحدہ مقام پر اپنے اہل خاندان کے ساتھ تشریف فرما تھے میں نے سلام کے بعد اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور کہا کہ جگر صاحب نے رپورٹنگ کے لئے بھیجا ہے اُس دن میں نواب صاحب کے ساتھ لنچ میں شریک رہا۔

نواب شاہ عالم خان صاحب کے عابد علی خان صاحب سے گہرے دوستانہ مراسم تھے عابد علی خان صاحب کے دولت خانہ عابد منزل (واقع لکڑی کا پل) میں ہونے والی ہر محفل شعر اور محفل موسیقی میں نواب صاحب مدعو رہتے تھے۔ عشائیہ کے بعد محفل مشاعرہ یا محفلِ موسیقی آراستہ کی جاتی۔ شہر کی نمائندہ شخصیتیں مدعو رہتیں۔ میں اس طرح کی تقریباً ہر محفل میں موجود رہتا تھا عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب مجھے لازماً مدعو فرماتے میں میزبانی کے فرائض بھی انجام دیا کرتا تھا بعض محفلِ شعر و محفلِ موسیقی کی میں نے نظامت بھی کی ہے۔

نواب شاہ عالم خان صاحب شہر کی بہت سی علمی و ادبی، تعلیمی و ثقافتی اداروں سے وابستہ ہیں مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ

میں اپنی کتابوں کی رسم اجراء تقاریب میں نواب صاحب کو مدعو کرتا رہا ہوں۔ نواب صاحب نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی اور شرکت فرماتے رہے۔

اندرا گاندھی نیشنل یونیٹی ایوارڈ تقریب جو یونیٹی ان ڈائیورسٹی آرگنائزیشن دہلی، انیکتا میں ایکتا راشٹریہ سنگٹھن کی جانب سے ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو ۵ بجے شام رویندرا بھارتی تھیٹر میں عظیم الشان پیمانے پر منعقد کی گئی تھی جس کے جنرل سکریٹری جناب مستجاب حسینی تھے میں ایوارڈ تقریب کا کنوینر تھا ایوارڈ تقریب کی ساری کارروائی میں نے ہی چلائی تھی۔ گورنر سکم جناب شیو شنکر کے ہاتھوں ایوارڈ دیئے گئے تھے اس تقریب کے سلسلے میں جب میں نے شیو شنکر صاحب سے فون پر بات کی تو گورنر صاحب بہ خوشی راضی ہو گئے اور کہا کہ حیدرآباد کے اتنے اچھے پروگرام ہیں، میں ضرور شرکت کروں گا آپ میرا نام پروگرام میں شامل کر لیجئے۔ شیو شنکر صاحب نے کہا نیر صاحب میں آپ کے کلام کا شیدائی ہوں۔ "سیاست" میں آپ کی غزلیں پڑھتا رہتا ہوں۔ میں نے ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں میں بھی آپ کو سنا ہے۔

ایوارڈ پانے والوں میں نواب شاہ عالم خان صاحب بھی

شامل تھے شہر کی دیگر اہم شخصیتوں میں ڈاکٹر سی نارائن ریڈی
ڈاکٹر سید عبدالمنان، محبوب حسین جگر، جناب غلام احمد (نامور
کرکیٹر) فلم اسٹار اجیت (حامد علی خان) ایم باگا ریڈی، ڈاکٹر
شیام سندر، سید تراب الحسن، ڈاکٹر وزارت رسول خان، کے
وی رمناچاری، آئی اے ایس، شاعروں، ادیبوں میں سید شبیہ ڈاکٹر
علی احمد جلیلی، رئیس اختر، پروفیسر حبیب ضیاء، ناصر کرنولی
حمایت اللہ، ڈاکٹر مصطفٰے کمال، نہپال سنگھ ورما، صالحہ الطاف
ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید، علی الدین نوید، اکمل حیدرآبادی، مومن
خان شوق، مظفر النساء ناز اور صلاح الدین نیر شامل تھے ان تمام
شخصیتوں کا انتخاب صرف اور صرف میں نے کیا تھا تقریب کے
جنرل سکریٹری جناب مشتاق حسینی نے مجھے اس بات کی اجازت
دی تھی کمیٹی نے ازراہِ ادب نوازی میرا نام بھی شامل کیا تھا۔
جناب شیو شنکر صاحب نے تمام ایوارڈ یافتگان کو قیمتی شال
اڑھائی اور شاندار مومنٹو پیش کیے۔ اس آرگنائزیشن کی
جانب سے اسی نوعیت کی ایوارڈ تقریب ۱۹۹۳ء میں رویندرا
بھارتی تھیٹر میں ہوئی تھی اس وقت بھی جنرل سکریٹری آرگنائزیشن
مشتاق حسینی نے نامور ادبی و تہذیبی شخصیتوں کے انتخاب کا
مجھے ہی مجاز گردانا تھا اس تقریب میں جناب عابد علی خان،

سید ہاشم علی اختر وغیرہ شامل تھے۔

میرے گیارہویں مجموعۂ کلام نیلم زرفشاں کی رسم اجراء تقریب جو ۱۹ اکتوبر ۲۰۰۴ء کو اردو ہال میں منعقد ہوئی تھی۔ فون پر مہمان خصوصی کی حیثیت سے نواب شاہ عالم خان صاحب کو دعوت دینا چاہ رہا تھا نواب صاحب کا فون انگیج تھا جب میں نے پروفیسر جعفر نظام سے بات کرنے کے بعد فون ملایا۔ نواب صاحب کا فون نمبر مل گیا۔ میں نے کہا کہ مجھے پروفیسر جعفر نظام صاحب سے بات کرتی ہے نواب صاحب نے کہا جعفر نظام میرے اچھے دوست ہیں ان کا نمبر نوٹ کر لیجئے۔ پھر پوچھا آپ کون بات کر رہے ہیں میں نے اپنا نام بتایا تو فرمایا تبسم تم میری آواز بھی نہیں پہچان پا رہے ہو" کیا ہو گیا ہے تمھیں (میں نے معذرت چاہی) اور نیلم زرفشاں کی تقریب میں شرکت کی درخواست کی۔ کہنے لگے ضرور آؤں گا۔ تمھیں دعائیں دوں گا تم بہت اچھا کام کر رہے ہو اس طرح نواب صاحب ہر موقع پر میری حوصلہ افزائی کیا کرتے ہیں گیان پیٹھ ایوارڈ یافتہ تلگو اردو کے مشہور شاعر پدم وبھوشن ڈاکٹر سی نارائن ریڈی نے نیلم زرفشاں کی رسم اجراء انجام دی۔ ڈاکٹر سید عبدالمنان صدر انجمن ترقی اردو نے صدارت کی۔ پروفیسر جعفر نظام سابق وائس چانسلر کاکتیہ یونیورسٹی ورنگل۔ ایم باگا ریڈی سابق ایم پی

ڈاکٹر علی احمد جلیلی، خلیل الرحمٰن سابق ایم پی، کبیر احمد سابق ڈائرکٹر
آل انڈیا ریڈیو نے بہ حیثیت مہمانانِ خصوصی شرکت کی تھی جناب
رئیس اختر ناظم مشاعرہ اور منتظم مشاعرہ جناب مومن خان شوق تھے
نواب صاحب کو اردو شعر و ادب سے کافی دلچسپی ہے ادبی
ٹرسٹ اور شنکر جی میموریل اکیڈیمی کے مشاعروں میں کئی برس
تک لازماً شرکت کیا کرتے رہے۔ بعض مشاعروں کی صدارت
بھی کی ہے اب بھی کبھی کبھی شنکر جی مشاعرہ کی صدارت کرتے ہیں۔
ہمارے شہر کی نامور شاعرہ بانی محفلِ خواتین و شاداں کالج
محترمہ عظمت عبدالقیوم، نواب صاحب کی منہ بولی بہن تھیں۔
حسنِ اتفاق سے وہ میری بھی منہ بولی بہن تھیں۔ میں نے جوبلی
ہال میں شاندار پیمانے پر جشنِ عظمت عبدالقیوم کا اہتمام کیا تھا
تقریب کے انعقاد کے سلسلے میں چیف پرموٹر شاداں ایجوکیشنل
سوسائٹی ڈاکٹر وزارت رسول خان صاحب اور ان کی اہلیہ شاداں
تہنیت نے بھرپور تعاون کیا تھا اس موقع پر عظمت عبدالقیوم، فن
اور شخصیت کے زیرِ عنوان میں نے ایک کتاب شائع کی تھی جس کی
رسم اجراء اس وقت کی گورنر آندھرا پردیش کمود بین جوشی نے
انجام دی تھی پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے صدارت کی تھی۔ میں اس
تقریب کا کنونیر تھا ادبی تقریب اعلیٰ پیمانے پر منعقد ہوئی تھی

شہر کے تقریباً تمام مشاہیر اُردو شریکِ محفل تھے جلسے کے اختتام پر عظمت عبدالقیوم نے اظہارِ تشکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں صلاح الدین نیّر کا شکریہ ادا نہیں کروں گی۔ میں اپنے بھائی کا شکریہ کس طرح ادا کر سکتی ہوں۔ میرا ایک بھائی تھا شوکت علی خان کلکٹر، وہ اب ہم میں نہیں رہا۔ لیکن خدا نے مجھے صلاح الدین نیّر جیسا بھائی دیا ہے میری دُعا ہے کہ میری عمر میرے بھائی صلاح الدین نیّر کو لگ جائے۔ اس جملے پر میری آنکھوں میں آنسو اُمنڈ آئے۔ عظمت آپا کو مبارکباد دینے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا نواب شاہ عالم خان بھی پہلی صف میں تشریف فرما تھے عظمت عبدالقیوم کے قریب آئے انھیں پُرتپاک مبارکباد دی اور مجھ سے مخاطب ہو کر پُرمسرت لہجہ میں کہا۔ نیّر میاں۔ عظمت آپا تو میری بہن ہے خوشی ہوئی کہ تم بھی ان کے بھائی ہو۔ نواب صاحب سے ملاقات کے بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کے ذکر سے حیدرآباد یوں کو اندازہ ہو جائے گا کہ حیدرآباد نے کیسی کیسی عظیم شخصیتوں کو جنم دیا ہے نواب صاحب اس قدر با اخلاق انسان ہیں کہ جب بھی میں نے اُن کے گھر پر فون کیا ان کے لب و لہجہ سے کبھی یہ ظاہر نہیں ہوا کہ میں نے اُن کی مصروفیات میں خلل ڈال دیا ہے پوری لگاوٹ کے ساتھ گفتگو کیا کرتے ہیں بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ناسازیٔ

مزاج کے باوجود نواب صاحب نے فون پر خوشگوار انداز میں گفتگو کرتے ہوئے اپنی وضع داری کا ثبوت دیا ہے میں نے جب کبھی کسی ادبی تقریب میں مدعو کیا ہے صرف فون پر گفتگو کی ہے کبھی ان کے گھر جاکر میں نے دعوت نہیں دی۔ نواب صاحب بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں نہیال سنگھ ورما نے بتایا کہ داد و دہش کے معاملے میں بھی غیر معمولی فراخ دل واقع ہوئے ہیں ضرورت مند و ل حاجت مندوں کی ممکنہ مدد کرتے ہیں۔ میں اس بات سے بھی واقف ہوں کہ نواب صاحب سگریٹ فیکٹری کے ملازمین و اسٹاف سے اپنے بہترین حسن سلوک کے سلسلے میں بھی شہرت رکھتے ہیں فیکٹری کے تمام ملازمین اور اسٹاف نواب صاحب کے بہترین برتاؤ کے مداح ہیں۔ آفس کا ماحول پاک وصاف ہے ڈسپلن کا اعلیٰ نمونہ ہے

نواب صاحب کی وضعداری کی ایک اور مثال پیش کرنا چاہوں گا سال گذشتہ احاطہ گنبد محمد قلی قطب شاہ میں ٹورازم ڈپارٹمنٹ کی جانب سے شاندار پیمانے پر مشاعرہ بھی ہوا تھا جس میں حیدرآباد کے نمائندہ شعراء سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی، خواجہ شوق، صلاح الدین نیر رئیس اختر، علی الدین نوید، حمایت اللہ، مصطفیٰ علی بیگ اور طالب خوندمیری نے شرکت کی تھی۔ نواب صاحب صدر مشاعرہ تھے۔ ایک خصوصی شہ نشین پر نواب صاحب تشریف فرما تھے جیسے ہی ہم تمام

رخہ نشین پر پہونچے۔ نواب صاحب اپنی نشست سے اُترے اور آگے بڑھ کر ہم سب سے مصافحہ کیا۔ یہ اور اس طرح کے بیسیوں واقعات ہیں جن سے نواب صاحب کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

نواب صاحب ہمارے شہر کے لئے ایک ایسی کہکشاں ہیں جس کی چمک سارے معاشرے کو چکاچوند کر رہی ہے ایسی پاک و صاف شخصیتیں شہر میں بہت کم دکھائی دیتی ہیں نواب صاحب کی خوبیوں اور ان کی شخصیت پر غور کرتا ہوں تو مجھے محبوب حسین جگر (جوائینٹ ایڈیٹر سیاست) کی ایک بات یاد آتی ہے۔ جگر صاحب نے اخبار سیاست کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی یہ سبھی جانتے ہیں کیسے کیسے لوگوں سے انہیں سابقہ پڑا ہوگا۔ کسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا شہر میں شریف لوگ بہت کم رہ گئے ہیں اور جب نواب صاحب جیسی شخصیت کا ذکر آتا تو وہ بے حد مسرت محسوس کرتے۔

نواب شاہ عالم خان صاحب اُن شرفائے حیدرآباد میں سے ایک ہیں جن کا نام شرفائے حیدرآباد کی اولین فہرست میں بہت زیادہ نمایاں ہے۔

خدا نواب صاحب کو سلامت رکھے ▲

سید ہاشم علی اختر

نامور دانشور، صاحبِ قرطاس و قلم، بہترین اڈمنسٹریٹر

جب کبھی میں اپنی زندگی کے اوراق الٹنے لگتا ہوں تو کچھ ایسی شخصیتیں بھی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو مثبت اقدار کی ترجمانی کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ میری ادبی و تہذیبی زندگی کے ۴۰ برس بے شمار واقعات و حادثات، تجربات و مشاہدات کے آئینہ دار رہے ہیں۔ بہت سے نام ایسے ہیں جو میرے دل کی تختی پر صبحِ درخشاں اور موسمِ بہاراں کی طرح آویزاں ہیں مجھے اپنی زندگی کے طویل سفر میں کچھ ایسی شخصیتوں سے بھی ملنے کا موقع ملا ہے جن کا وجود آبِ رواں کی طرح ہر ضرورت مند شخص کے لئے فیضِ جاریہ کی صورت میں نمایاں رہا۔ ہمارے شہرِ عظمت نشان نے ہر دور میں کچھ ایسے لعل و گہر کو بھی جنم دیا ہے جن کی چمک اور روشنی، معاشرہ کی ہر سطح کو پُر نور کرتی رہی ہے جہاں

کہیں بھی اعلیٰ مرتبت دانشوروں کی بات نکلتی ہے تو ممتاز عثمانین جناب ہاشم علی اختر کا نام بھی سرِ فہرست موجود با کمالوں کے ساتھ نمایاں حیثیت سے دکھائی دیتا ہے۔

ہاشم علی اختر صاحب سے میری پہلی ملاقات شاید ادارۂ ادبیات اُردو کے ایک مشاعرہ میں ہوئی تھی جس میں ممتاز ترقی پسند شاعر و ادیب سجاد ظہیر نے شرکت کی تھی۔ یہ مشاعرہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ نے نامور ترقی پسند شاعر جناب سجاد ظہیر کے اعزاز میں منعقد کیا تھا شہر کی نمائندہ شخصیتیں جنھیں شعر و ادب سے دلبستگی ہے شریک محفل تھیں۔ شہر کے نامور شاعروں نے کلام سنایا تھا اُس دور کے نئے شاعروں میں مجھے بھی غزل سنانے کا اعزاز حاصل ہوا تھا مجھے یاد ہے کہ میں نے یہ غزل سنائی تھی۔

آتشِ غم سے خوش نصیب جلے	دُور رہ کر بہت قریب جلے
آتشِ گل سے کیا شکایت ہو	اپنے نغموں سے عندلیب جلے
صبح کی تازہ روشنی کے لئے	رات بھر شاعر و ادیب جلے
اونچے محلوں کی روشنی کے لئے	اجنبی شہر میں غریب جلے
اپنی محفل میں تم کو پا نہ سکے	ہم بھی ہیں کس قدر لغیب جلے
آگ بھڑکی نہ کچھ دھواں ہی اُٹھا	عمر بھر یوں ہی غم نصیب جلے
شمع کی طرح رات بھر تنہا	اُن کی محفل میں غم نصیب جلے

جس کو سجاد ظہیر صاحب نے بے حد پسند کیا تھا دو تین شعر تو انھوں نے

دوبارہ پڑھوائے تھے۔ ایک نوجوان شاعر کے لئے سجاد ظہیر صاحب کی داد و تحسین، حوصلہ افزائی کی معراج تھی۔ دوسری ملاقات بریگیڈیر سعید صاحب کے دولت خانہ پر عشائیہ اور محفلِ شعر و سخن میں ہوئی تھی۔ یہ بات تقریباً ۳۵ برس پہلے کی ہے اس عشائیہ اور مشاعرہ میں شہر کی منتخب شخصیتیں مدعو تھیں۔ خاتون شعراء میں نامور شاعرہ عظمت عبدالقیوم اور نئی نئی صحافی مدیر خاتونِ دکن صالحہ الطاف بھی تھیں۔ اس دوسری ملاقات کے بعد ہاشم علی اختر سے ادارۂ ادبیاتِ اُردو اور انجمن ترقی اُردو کے جلسوں اور جناب عابد علی خان کی رہائش گاہ پر منعقدہ مخصوص محفلِ شعر و سخن میں ملاقات ہوتی رہی۔ پھر وہ جب سکریٹریٹ میں اریگیشن ڈپارٹمنٹ اور کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ ڈپارٹمنٹ میں بہ حیثیت سکریٹری مامور ہوئے تو اُن سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ سکریٹریٹ میں ڈی سنجیویا ریڈی صاحب کی چیف منسٹری کے زمانے میں وہ جنرل اڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ کے شعبۂ پولیٹیکل کے ڈپٹی سکریٹری تھے۔ اس زمانے میں بھی انھوں نے نہایت ایمانداری کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو نبھایا۔ سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے بعض ادبی تقاریب میں انہیں میں نے مدعو کیا تھا وہ نائب صدر اسوسی ایشن تھے سکریٹریٹ میں ہاشم صاحب سے سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کی ادبی سرگرمیوں کے سلسلے میں ملاقات ہوا کرتی تھی سیاست میں کبھی کبھی ان کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے سیاست میں شائع شدنی

مضامین کے سلسلے میں بھی ملاقات ہوتی تھی۔ اکثر دفعہ مجھ سے کہتے کہ "میں قلم کا مزدور ہوں" ہاشم علی اختر صاحب نہایت اعلیٰ درجہ کے اڈمنسٹریٹر اور باصلاحیت اعلیٰ آفیسر رہے ہیں سرکاری ملازمت اختیار کرنے سے پہلے سٹی کالج میں لیکچرار رہے۔ آئی اے ایس ہونے کے بعد سکریٹریٹ سروس سے وابستہ ہوئے آندھرا پردیش کے بعض اضلاع پر ضلع کلکٹر رہے بعض محکموں میں کمشنر رہے مینجنگ ڈائرکٹر رہے سکریٹریٹ کے مختلف محکموں میں بہ حیثیت ڈپٹی سکریٹری، جوائینٹ سکریٹری، پرنسپل سکریٹری کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ پھر عثمانیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے اس کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں وائس چانسلر کے عہدہ پر فائز رہے۔ ایک ملاقات میں مجھ سے فرمایا کہ جامعہ عثمانیہ کی وائس چانسلری میرے لئے ایک چیلنج تھی۔ یونیورسٹی کے حالات ناگفتہ بہ تھے۔ طلباء ہی نہیں اساتذہ بھی مسائل میں گھرے ہوئے تھے لیکن بیشتر مسائل ان کے خود کے پیدا کردہ تھے اڈمنسٹریشن کا مسئلہ غیر اطمینان بخش تھا میں نے حکمت عملی سے طلباء کے تقریباً واجبی تمام مسائل کی یکسوئی کی۔ اسی طرح ایسے تمام اساتذہ جو تعصب، تنگ نظری، آپسی اختلافات اور گروہ بندی کا شکار تھے۔ ان کے ساتھ اصولی طور پر کچھ اس طرح سلوک کیا کہ انہیں پھر اپنے حقوق سے محرومی کا گلہ نہ رہا۔ جب میں نے وائس چانسلر بن کر عثمانیہ یونیورسٹی کی باگ ڈور سنبھالی تو طلباء کے ایک متعصب گروپ نے مختلف قسم کی رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوششیں کیں

لیکن میں نے کبھی ہمت نہیں ہاری۔ پامردی کے ساتھ بلا خوف و خطر حالات کا مقابلہ کیا اور میں نے پُر سکون انداز میں اپنے فرائض انجام دیئے۔ ہر قسم کی ریشہ دوانیوں اور زہر آلود فضا کو ناپید کر دیا۔ ہاشم صاحب گفتگو جاری رکھتے ہوئے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی وائس چانسلری کے زمانے کے مختلف واقعات بیان کیے۔ وہاں بھی انہیں بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ پہلے کی طرح خدا کی امان میں رہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اکھڑے ہوئے ماحول کو بہتر بنانے میں انہیں کافی محنت کرنی پڑی لیکن انہوں نے بالآخر حالات کو سدھار کر ہی دم لیا۔ رسم الخط کے مسئلہ پر بعض اُردو حلقوں میں ان کی شخصیت نزاعی بن گئی تھی لیکن رفتہ رفتہ وہ بادل چھٹ گئے۔ ادارۂ ادبیات اُردو کے صدر نشین رہے۔ ہاشم علی اختر شاید ترکِ وطن ہرگز نہ کرتے اگر ان کی اہلیہ محترمہ انہیں داغِ مفارقت نہ دیتیں۔ اُن کے انتقال کے صدمے نے ان کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اہلیہ کے انتقال کے کچھ ہی دنوں بعد وہ ہمیشہ کے لئے امریکہ (شکاگو) منتقل ہو گئے جہاں ان کے صاحبزادہ اور صاحبزادی ہیں۔ ہاشم علی اختر صاحب کے ترکِ وطن سے ہماری محفلوں کی سرگرمیاں متاثر ہوئیں۔ ادارۂ ادبیات اُردو کی صدارتی ذمہ داری، پروفیسر جعفر نظام سابق وائس چانسلر کاکتیہ یونیورسٹی (ورنگل) کو سونپی۔ تقریباً ۸ برس سے وہ امریکہ میں مقیم ہیں اور امریکہ کے مستقل شہری بن گئے ہیں ہاشم علی صاحب گذشتہ سال کچھ دنوں کے

لئے حیدر آباد آئے تھے پہلے اُن سے فون پر گفتگو رہی اور پھر ایک ادبی اجلاس میں ملاقات ہوئی۔ وہی اندازِ گفتگو وہی لب و لہجہ، وہی طرزِ تکلم رہا جو پہلے تھا ہر چاہنے والے کو اپنے خلوص و محبت سے سرشار کرتے رہے امریکہ جانے سے پہلے جب وہ حیدر آباد میں تھے۔ میں انھیں اپنے شعری مجموعوں کی رسم اجرا تقریب میں مدعو کرتا رہا۔ وہ بہ خوشی شرکت کرتے ہوئے میری حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ہاشم علی اختر صاحب مجھے بے حد عزیز رکھتے ہیں میری شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بھی مشورہ دیتے کہ میں اپنا کلام ہندی رسم الخط (دیوناگری) میں چھپواؤں تاکہ زیادہ سے زیادہ ہندی والے میری شاعری پڑھ سکیں۔ اُردو زبان اور ہندی کے بارے میں مختلف اوقات میں اُن سے گفتگو ہوا کرتی تھی وہ ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ اگر اُردو شاعروں اور ادیبوں کی کتابیں ہندی رسم الخط میں شائع ہوتی رہیں تو اُردو کا نقصان نہیں ہے آپ کا اصل مجموعۂ کلام اُردو رسم الخط میں موجود ہے لیکن اس کے پڑھنے والے محدود ہیں۔ ہندی رسم الخط میں بھی کلام شائع ہو تو ہزاروں نہیں لاکھوں ہندی جاننے والے آپ کے کلام کو پڑھیں گے۔ میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ یوپی اور بہار کے علاقوں میں مسلمان بچے ہندی پڑھ رہے ہیں۔ اُردو نہیں۔ میں نے اپنی کتابوں کی رسم اجرا تقریب کے علاوہ بعض خالص ادبی جلسوں میں بھی ہاشم علی اختر صاحب کو مدعو کیا ہے۔ وہ اگر فرصت میں ہوتے تو ضرور شرکت کرتے تھے

میں نے انھیں یادِ عظمت عبدالقیوم کی ایک سالانہ تقریب میں بھی مدعو کیا تھا جو دس برس پہلے عظمت نشان آڈیٹوریم (رشادان کالج) میں منعقد ہوئی تھی۔ عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر صاحب سے ان کے گہرے مراسم تھے آپس میں بہترین دوست تھے۔ مجھے یاد ہے کہ عابد علی خان صاحب جب بھی مخاطب کرتے کہتے ہاشم! اسی طرح ہاشم علی اختر صاحب عابد کہتے۔ کبھی بھی انہوں نے پورے نام ایک دوسرے کو مخاطب نہیں کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر ایک دوسرے کے قریب تھے سکریٹریٹ کی ملازمت کے زمانے میں ہاشم علی اختر صاحب کئی جرأت مندانہ فیصلے کر چکے ہیں۔ ہاشم علی اختر صاحب کا ترکِ وطن کرنا بھی شہرِ حیدرآباد کے لئے ایک المیہ ہی ہے کہ ایک اعلیٰ درجہ کے دانشور سے خاص طور پر اردو کی محفلوں میں بے حد کمی محسوس کی جارہی ہے امریکہ میں بھی ہاشم علی اختر صاحب کا علمی و ادبی کام جاری ہے وہاں کی علمی و ادبی محفلوں کو وہ اپنے فکر و خیال کی خوشبو سے مہکا رہے ہیں۔ میں سکریٹریٹ میں سکشن آفیسر تھا اور وہ پرنسپل سکریٹری۔ اتنے بڑے تفاوت کے بعد بھی یہ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ ہاشم علی اختر صاحب ملاقات سے گریز کر رہے ہیں ان کے ملنے کے انداز تمام ملنے والوں سے یکساں رہتا تھا۔ وہ جہاں بھی رہیں۔ میری خواہش رہے گی کہ ان کے دل و دماغ میں ہمارے شہر کی خوشبو بسی رہے اور ہم حیدرآبادی ہمیشہ ان کی آنکھوں میں سرمۂ نظر بن کے رہیں ۔

ولی قادری

ولی صفت، اسمِ بامسمیٰ، بے مثال انجینیر، وضع دار شخصیت

شہر کے برگزیدہ مشائخ خاندان سے تعلق رکھنے والے بے شمار صاحبانِ علم و عرفان، ملّی و دینی خدمت گزار ہر دور میں رہے ہیں اور آج بھی اس طرح کے علمِ دین کی اہمیت کو اجاگر کرنے والے علمائے کرام موجود ہیں اس سلسلۂ فیضان کے رنگ میں ڈوبے ہوئے کچھ ایسی شخصیتیں بھی ہیں جو دنیوی رنگ میں ڈھلتے ہوئے بھی اپنے اپنے انداز سے دین و ملّت کی خدمت میں مصروف ہیں۔

نامور انجینیر ولی قادری صاحب ایسے ہی علمائے دکن میں سے ایک ہیں جو اپنے طریقوں سے دینی و ملّی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ شاید یہ بات کم لوگ جانتے ہوں گے کہ ولی قادری صاحب نے بیسیوں مساجد کی تعمیر کے سلسلے میں اپنی بہترین خدمات انجام دی ہیں۔ خدمات کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اپنے پیشے کے ساتھ نہایت

یانت داری برتنتے ہوئے علمی و فلاحی خدمات کے لئے بھی وقت
نکال لیتے ہیں ان ہی کے خاندان میں ناموری نعت گو شاعر عالم دین
ولانا شیخ احمد شطاری کامل بھی گزرے ہیں۔ ولی قادری صاحب
ہمارے شہر کی بے شمار عالیشان عمارتوں کے انجینئر رہ چکے ہیں
علمی و ادبی اداروں جیسے اردو گھر وغیرہ کے انجینئر کی حیثیت سے
بھی خدمات انجام دیتے ہیں خوشی محسوس کرتے ہیں وہ نہایت
تجربہ کار انجینئر ہیں۔ فنِ تعمیر کی نزاکتوں نے ہی ان کو اپنے پیشے
میں اعلیٰ صلاحیتوں سے سرفراز کیا ہے ایسا نہیں ہے کہ ولی قادری
صاحب فنِ تعمیر کی ندرتوں سے ہی واقف ہیں بلکہ زندگی کے
بعض خوشگوار اور ذہنی سکون دینے والی مصروفیات سے بھی
وابستہ ہیں۔ شاید بہت سے لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم ہوگا کہ ولی قادری
صاحب شاعر بھی ہیں وہ ایک کہنہ مشق شاعر ہیں نعتیں بھی
کہتے ہیں منقبتیں بھی اور غزلیں بھی۔ لیکن صرف خاص خاص محفلوں
میں بڑے اصرار پر کلام سناتے ہیں ولی قادری صاحب منکسر المزاج، کم گو
خاموش طبع، بے حد شریف اور با اخلاق انسان ہیں۔ ان کے رہن سہن اور
ان کی پوشاک سے نہ تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا تعلق مشائخ خاندان سے
ہے اور نہ ہی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انجینئرنگ کے شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں
ملاقات سے یہ تاثر بھی چھوڑے جاتے ہیں کہ وہ ضرورت سے زیادہ

شریف آدمی ہیں (واقعتاً ہیں بھی) وہ اکثر دفعہ شرٹ اور پتلون میں رہتے ہیں کبھی کبھی شیروانی پہنتے ہیں۔ میں نے کبھی بھی انہیں برہنہ سر نہیں دیکھا جناح کیاپ پہنے رہتے ہیں انتہائی دین دار پابند صوم وصلوٰۃ اللہ والے انسان ہیں۔ ولی قادری صاحب کا ہاتھ مستحق لوگوں کے لئے بہت کشادہ رہتا ہے کئی دینی، علمی اداروں کی رقمی اعانت کرتے ہیں ان کے آفس میں اگر کسی کو جانے کا اتفاق ہو تو وہ دیکھیں گے کہ کوئی نہ کوئی ضرورت مند شخص وہاں موجود ہے اور ہر ایک شخص ان کے بہترین سلوک سے متاثر ہوتا ہے ولی قادری صاحب کو میں نے کئی مشاعروں میں شرکت کے لئے زحمت دی ہے خاص طور پر ادارۂ میرا شہر میرے لوگ کے مشاعروں میں وہ شرکت کرتے ہیں یادِ عظمت عبدالقیوم کے سالانہ ادبی اجلاس و مشاعرہ میں نہ صرف شرکت کرتے ہیں بلکہ اپنے کلام سے سرفراز بھی کرتے ہیں کبھی صدرِ مشاعرہ کی حیثیت سے اور کبھی مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مشاعرہ کی اہمیت میں اضافہ کرتے ہیں۔ میں نے ولی قادری صاحب کا کلام "خورشید کا سفر" میں بھی شائع کیا ہے اخبار "سیاست" میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے نہایت قابلِ احترام شخصیت کے مالک ہیں ہر چھوٹا بڑا ان کی تعظیم کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہے ان کا کلام سہلِ ممتنع میں ہوتا ہے وہ حمدیہ شعر ہوں کہ نعتیہ کلام، منقبتیں ہوں کہ غزلیں، پُر اثر ہوتی ہیں۔

اپنی شاعری پر عبور رکھتے ہیں۔ ولی قادری صاحب نہایت وضع دار حیدرآبادی تہذیب کی ایک نمائندہ شخصیت ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے انجینیر ہوتے ہوئے بھی ان کے ہاں غرور نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ نہایت سادہ طبیعت، پاک و صاف آئینہ کی طرح، معاشرہ کے ایک اہم فرد ہیں لگ بھگ ۸۰، ۸۲ سال کی عمر ہوگی لیکن پھر بھی چاق و چوبند دکھائی دیتے ہیں اپنے پیشہ سے وابستہ رہ کر دینی و ملی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ولی قادری صاحب بیسیوں اصحاب کی طرح میرے بھی محسن ہیں میرا دوسرا بیٹا سراج الدین سلیم حبیب انوار العلوم کالج سے بی ایس سی کرنے کے بعد اپنے بہترین مستقبل کی تلاش میں تھا اور اس کی یہ خواہش تھی کہ وہ شعبۂ انجینرنگ سے وابستہ ہو کر انجینرنگ میں ڈپلوما کورس کی تکمیل کرے میں نے ایک دفعہ ولی قادری صاحب کو سلیم کے بارے میں تفصیلات بتائیں اور خواہش کی کہ اپنی سرپرستی میں لیں۔ ولی قادری صاحب نے شاعر نوازی کرتے ہوئے فی الفور سلیم کو ملنے کے لئے کہا اور اس کو شعبۂ انجینرنگ سے وابستہ رکھ کر بہت کچھ سکھایا ہے۔ میرے فرزند نے انجینرنگ میں ڈپلوما حاصل کیا۔ ڈپلوما کی بنیاد پر اس کو سعودی عرب میں ملازمت مل گئی دو سال تک ملازمت کے بعد حیدرآباد آ کر اپنے جمع کیے ہوئے سرمائے سے بزنس شروع کیا اور آج الحمد للہ ٹرانسپورٹ کے کاروبار

میں مصروف رہ کر اپنے کاروبار کو ترقی دے رہا ہے بے حد مطمئن ہے
مکانات کی تعمیر کے سلسلے میں اگر میرے کسی دوست یا کسی خاص
واقف کار کو ولی قادری صاحب سے صلاح و مشورہ مقصود ہو تو میں
نے اُن سے تعاون حاصل کیا ہے وہ اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت
نکال کر ادبی محفلوں میں بھی شرکت کرتے ہیں شہر کی اپنی نوعیت کی ایک
خاص محفل شعر و سخن ایوان پرنس معظم جاہ شجیع کے کئی مشاعروں میں
مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرتے رہے ہے ولی قادری صاحب سے
ملنے کے بعد کوئی بھی شخص یہ اندازہ نہیں کر سکتا کہ ان میں حسِ مزاح
بھی قدرت نے ودیعت کی ہے۔ میں نے قادری صاحب کا مزاحیہ
کلام بھی سُنا ہے ماہنامہ شگوفہ میں پڑھا بھی ہے۔ ولی قادری صاحب
ہمارے شہر کے صفِ اول کے نامور شہریوں میں شمار کئے جاتے ہیں
جس کسی محفل کے لئے چاہے وہ سرکاری ہو کہ غیر سرکاری، علمی و ادبی ہو
کہ فلاحی و تہذیبی، مدعوئین کی فہرست ترتیب دی جاتی ہے تو اُس میں
ولی قادری صاحب کا نام بھی نمایاں رہتا ہے ولی قادری صاحب بہت
کم گو انسان ہیں نرم لہجے میں گفتگو کرتے ہیں گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ
ضرورت سے زیادہ گفتگو انہیں پسند نہیں ہے۔ سوچ سوچ کر
صحیح الفاظ استعمال کرنا ان کے طرزِ تکلم کا خاص وصف ہے ولی قادری
صاحب مروت و شرافت کے پیکر ہیں اپنے آفس کے کاموں میں

زیادہ مصروف رہنے کے باوجود اگر کسی خاص ملاقاتی، دوست، رشتہ دار کا کام فی الفور توجہ طلب ہو تو اُس شخص کی مدد کے لئے تیار ہو جاتے ہیں میں خود اپنا ایک واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں میں محلہ ملے پلی میں اپنے ایک دو منزلہ مکان میں مقیم ہوں۔ ایک دن گھر کے تمام افراد نے یہ دیکھا کہ کچھ کمروں کی دیواروں سے پانی رس رہا ہے تو بے حد پریشان ہوئے۔ میں ولی قادری صاحب کے آفس پہونچا اور اپنی پریشانی کا حال سُنایا۔ اُس وقت وہ کنٹراکٹروں سے کسی اہم مسئلہ پر محوِ گفتگو تھے اُن سے ۱۰ منٹ کی اجازت لے کر میرے گھر آئے اور پھر بعد معائنہ کچھ مشوروں سے نوازا اور ہماری موقتی پریشانی کو دُور کر دیا۔ مجھے یہ تو نہیں معلوم کہ ان کے قریب ترین دوستوں میں کون کون اہم شخصیتیں رہی ہیں اور اب بھی ہیں لیکن جہاں تک میری معلومات ہیں جناب عابد علی خان صاحب مدیر "سیاست" سے ان کے گہرے مراسم تھے ولی قادری صاحب، عابد علی خان صاحب کے گھر کی ہر چھوٹی بڑی دعوت (عشائیہ) میں موجود رہتے تھے ڈاکٹر سید عبد المنان اور نواب شاہ عالم خان صاحب سے بھی ان کے اچھے خاصے مراسم ہیں۔
ولی قادری صاحب ایک ذی مرتبت شخصیت کے حامل ہیں ایسی شخصیتوں سے بے شمار غرض مند استفادہ کرتے رہتے ہیں شعبۂ انجینئرنگ میں سینکڑوں نوجوان ان کے زیرِ سایہ تربیت حاصل کرکے اپنے روشن

مستقبل کے قابل بن گئے ہیں باہر کے ملکوں میں بھی اپنے ملک کا نام روشن کر رہے ہیں۔ ولی قادری صاحب سے میری ملاقات بہت کم ہوتی ہے لیکن جب بھی مجھے کسی مشاعرہ میں مدعو کرنے کا خیال آتا ہے تو فون پر مدعو کرتا ہوں وہ وقت مقررہ پر تشریف لاتے ہیں۔ مولانا شیخ احمد شطاری کامل کی رہائش گاہ میں ولی قادری صاحب کی زیر نگرانی منعقدہ نعتیہ مشاعرہ میں میں کلام سنا چکا ہوں جس میں میری نعت کے اس شعر کو ۶، ۷ دفعہ پڑھایا گیا ؎

شرمندگی ہے سر کو جھکائے کھڑا ہوں میں
عصیاں کا سب حساب میری چشم تر میں ہے

جناب ولی قادری شہر کی معیاری ادبی انجمنوں کے جلسوں میں شرکت کیا کرتے ہیں میں نے انجمن ترقی اردو، ادارۂ ادبیات اردو کے اکثر جلسوں اور مشاعروں میں انہیں شریک ہوتے دیکھا ہے مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ محمد قلی قطب شاہ کی سالانہ تقاریب میں ولی قادری صاحب کا بھی عملی تعاون حاصل رہتا ہے۔ ادارۂ میرا شہر میرے لوگ کو بھی یہ اعزاز حاصل ہے اس ادارہ کے زیر اہتمام اُجالوں کے مسافر کے زیر عنوان مولانا ابوالکلام آزاد انسٹیٹوٹ میں شایان شان پیمانے پر ۹؟ ـــــ ولی قادری صاحب کی علمی و ادبی فلاحی و تہذیبی، دینی و ملی خدمات کے اعتراف کے لئے ایک تقریب منعقد

کی گئی تھی۔ ان کے اعتراف خدمات کا ایک اور بڑا جلسہ شہریان حیدرآباد کی جانب سے ۲۹ جنوری [illegible] کو اندرا پریہ درشنی میں بھی ہوا تھا۔

شہر میں ولی قادری صاحب جیسے دیانتدار، وضع دار اور شریف لوگ بہت کم رہ گئے ہیں۔ یہ ایسی خوبیوں کے حامل شخصیت ہیں کہ جن کی توقیر و تکریم کے لئے خود یہ خود سر جھک جاتا ہے۔ خدا اُن کی عمر دراز کرے اور اُن کے فیضِ مسلسل سے ہر حاجت مند مستفید ہوتا رہے ۔

ڈاکٹر راج بہادر گوڑ

(خوش مزاج ادیب، باکردار انسان)

بہت سے ایسے لوگ بھی ہمارے معاشرہ کا ایک حصہ بن گئے ہیں جو نام و نمود اور شہرت کے لئے نت نئی کارستانیوں اور نئے نئے ہتھکنڈوں سے کام لیتے ہوئے ایسا کچھ کر جاتے ہیں کہ جس کو مہذب معاشرہ قبول نہیں کرتا اور ایسے بھی لوگ ہیں جو کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ ہونے کا احساس دلانے کے لئے اپنی عزت و آبرو اور اپنے ضمیر کا سودا کرتے ہیں لیکن اسی معاشرہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ملتے ہیں جو نہ صرف دولت و شہرت کو ہی ٹھکرا دیتے ہیں بلکہ اپنی اصول پسندی دیانت داری، اپنے مسلک اور اپنے طریقۂ زندگی پر تادمِ زیست قائم رہتے ہیں اور اُن کے طرزِ معاشرت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سیدھے سادے اور کھرے لوگ ہیں جن کی زندگی میں کسی بھی قسم کا جھول نہیں ہے کوئی بھید بھاؤ نہیں ہے اور جن کی زندگی کا ایک ایک پل خدمتِ خلق، مستحق لوگوں کی بھلائی اور انسانی اقدار کی پاسداری

میں مصروف رہا کرتا ہے ۔ اِن ہی لوگوں میں سے ایک اعلیٰ حیثیت رکھنے والے بامروت، آئینہ مثال، انسانیت دوست شخصیت ڈاکٹر راج بہادر گوڑ کی بھی ہے ۔

ڈاکٹر راج بہادر گوڑ ایم بی بی ایس ہونے کے باوجود عوامی زندگی سے جُڑ گئے ہیں عوام کی خدمت کے لئے وقف ہو چکے ہیں ایک ٹریڈ یونین اہم لیڈر کی حیثیت سے بھی وہ ملک بھر میں شہرت رکھتے ہیں ڈاکٹر صاحب نے اپنی طویل زندگی میں ہزاروں مصیبت زدگان، بے نوا بے سہارا مجبوروں اور محتاجوں کی مدد کی ہے اُن مظلوموں کی آواز اور اُن کے کربِ مسلسل کو حکومتوں کے ایوانوں اور معاشرہ کے اُن لوگوں تک پہونچایا ہے جن کی ناانصافی اور ظلم و تشدد کی زد میں رہ کر مجبور و بے بس لوگ اپنی زندگی گذار رہے ہیں ڈاکٹر راج بہادر گوڑ خالص حیدرآبادی تہذیب و معاشرت کے نمائندہ ہیں اُن کے طرزِ معاشرت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب کے پروردہ اور اس تہذیب کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں ڈاکٹر صاحب کو اُردو زبان، اُردو ادب اور اُردو تہذیب سے دیرینہ وابستگی ہے شہر کے لوگوں سے لگاؤ ہے ان کے دُکھ اور سُکھ سے باخبر رہتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ہر انسان اپنے پُرسکون لمحات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے خوش رہے دوسروں کا دست نگر نہ رہے اس کو اپنی محنت کا پورا صلہ ملتا رہے ۔ ڈاکٹر صاحب اُردو تحریک سے برسوں سے وابستہ ہیں

بہت سی علمی و ادبی انجمنوں اور اداروں سے ان کا تعلق ہے اُردو زبان کے عاشق ہیں وہ انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کے سربراہ ہونے کے ناطے اپنے رفقائے کار کے ساتھ اُردو کے بہت سے حل طلب مسائل کے لئے ہر دور کی حکومتوں سے نمائندگی کرتے رہے ہیں ڈاکٹر صاحب کی پوری زندگی حرکیاتی اور فعال رہی ہے ان کی گفتار اور ان کے کردار میں یکسانیت ہے انہوں نے ہمیشہ سچائی کا ساتھ دیا (ساتھ دے رہے ہیں) عمر کے اس آخری حصہ میں بھی ان کی سرگرمیاں اُردو زبان و ادب کے لئے ہی نہیں عوام کی خدمات کے لئے بھی جاری ہیں ڈاکٹر صاحب سے میں چار دہوں سے واقف ہوں بلکہ اُن کے مداحوں میں سے ہوں دھلی ہوئی سفید چادر کی طرح اُن کا دامن پاک ہے میں اکثر ادبی جلسوں اور مشاعروں میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ رہا ہوں ڈاکٹر صاحب ایک باکمال دانشور ہی نہیں ہیں بلکہ اُردو شعر و ادب پر اُن کی گہری نظر ہے بہترین مبصر و نقاد ہیں اعلیٰ مقرر ہیں ان کی تقریر سننے کے لئے شرکائے محفل بے چین رہتے ہیں ڈاکٹر صاحب تقریر کے دوران بعض مزاحیہ و طنزیہ جملے بے ساختہ اور روانی کے ساتھ کہتے ہیں جن سے ان کی تقریر کا رنگ دوبالا ہو جاتا ہے بڑا اثر لب و لہجہ سے سامعین کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں کوئی بھی مسئلہ کیوں نہ ہو صاف صاف لفظوں میں سلجھاتے ہیں ڈاکٹر صاحب کو اُردو ادبیات کا گہرا مطالعہ ہے انہوں نے اپنے مشاہدات اور تجربات کو اپنی

فکر و خیال کی جولانیوں سے ہم آہنگ کر دیا ہے ڈاکٹر صاحب کے ہزاروں پرستار ہیں خود ڈاکٹر صاحب بھی بے شمار لوگوں کو چاہتے ہیں لیکن ان کی پسند کا بھی ایک معیار ہے مخدوم صاحب کے غیر معمولی مداح ہیں شاید ہی ان کی کوئی تقریر ہوتی ہے جس میں مخدوم محی الدین کا ذکر نہ کرتے ہوں۔ اسی طرح جناب عابد علی خان صاحب اور جناب محبوب حسین جگر سے ان کے دیرینہ مراسم تھے مختلف موضوعات پر سیاست میں ڈاکٹر صاحب کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں شعری و ادبی کتابوں پر تبصروں میں اعتدال ہی نہیں ایک خوشگوار توازن بھی برقرار رہتا ہے ان کا قلم اکثر دفعہ قلمکاروں کی حوصلہ افزائی کے لئے بھی حرکت میں آتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کئی برسوں سے انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش سے وابستہ ہیں اس وقت وہ انجمن کے نائب صدر ہیں انجمن کے تمام مسائل سے واقف ہیں انجمن کی نیک نامی کے لئے انہوں نے بہت کچھ کیا ہے آج بھی انجمن کے لئے ان کی حیثیت ایک سائبان کی سی ہے ڈاکٹر صاحب نے میری بہت سی کتابوں پر تبصرہ کیا ہے جو سیاست میں اہتمام کے ساتھ شائع ہوئے ہیں میری کتابوں کی رسم اجراء تقریب میں بھی اپنے بہترین خیالات سے میری پذیرائی کی ہے کچھ عرصہ پہلے میں انجمن ترقی پسند مصنفین کا جوائنٹ سکریٹری تھا اور ممتاز شاعر جناب راشد آذر سکریٹری تھے ہم انجمن کی سرگرمیوں اور مختلف پروگرام کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کیا کرتے تھے ڈاکٹر صاحب انجمن کے سرپرست ہیں تقریباً

٦ سال تک میں اور راشد آذر انجمن ترقی پسند مصنفین سے وابستہ رہے۔ ہم نے اپنے زمانے میں انجمن کی ادبی سرگرمیوں کو بلندی پر پہونچایا تھا ہم نے ۲۲ جنوری ۱۹۸۹ء کو گاندھی بھون میں اپنے رفقائے کار کے تعاون سے عظیم الشان پیمانہ پر کانفرنس منعقد کی تھی جس میں ڈاکٹر صاحب کے مشورہ سے نامور ترقی پسند شاعر و ادیب علی سردار جعفری اور ممتاز دانشور جناب عابد حسین صاحب کو مدعو کیا تھا ڈاکٹر صاحب اردو زبان کی ترقی و بقاء کے لیئے وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں جو ان کے بس میں ہے ڈاکٹر صاحب قیام ادبی ٹرسٹ ۱۹۶۶ء سے ادبی ٹرسٹ کے ٹرسٹی ہیں (میں بھی قیام ادبی ٹرسٹ سے اعزازی آفس سکریٹری کی حیثیت سے وابستہ ہوں) آج بھی اپنی ذمہ داریوں کو نبھا رہا ہو جناب عابد علی خان صاحب مینجنگ ٹرسٹی تھے اب جناب زاہد علی خان صاحب مینجنگ ٹرسٹی ہیں ڈاکٹر سید عبد المنان اس وقت ادبی ٹرسٹ کے صدر نشین ہیں ڈاکٹر راج بہادر گوڑ اپنے تجربات اور اپنے طریقہ کار کی روشنی میں ٹرسٹ کے ہر مسئلہ کے حل کے لئے مخلص معاون ثابت ہوتے ہیں شہر کی کچھ اور ادبی انجمنوں سے بھی ڈاکٹر صاحب وابستہ ہیں ڈاکٹر صاحب کی عمر تک بھگ ۸۰ برس کی ہوگی اس پیرانہ سالی میں بھی وہ نوجوانوں کی طرح علمی و ادبی سرگرمیوں میں دلچسپی لیتے ہیں اور ایک شریڈ یونینسٹ ہونے کے ناطے سماج کے ستائے ہوئے عوام کی دادرسی کے لئے بھی بہت زیادہ وقت دیتے ہیں ان کے

اُردو دوستوں میں برصغیر کے تقریباً تمام اہم شاعر و ادیب شامل ہیں صف اول کے قدردانِ اُردو زبان و ادب اور پرستارانِ شعر و سخن کی حیثیت سے بھی ان کا نام لیا جاتا ہے حیدرآباد میں اُردو تحریک کے وہ ہمیشہ سربراہ رہے سرکاری سطح پر ہو کہ عوامی سطح پر ہو اُردو کے کاز کے لئے پیش پیش رہتے ہیں ڈاکٹر صاحب وقت کی بڑی قدر کرتے ہیں ادبی ہو کہ عوامی جلسے وقت پر آتے ہیں اور جلسہ ختم ہونے تک تشریف فرما رہتے ہیں بے شمار سیمینار، سمپوزیم اور ادبی مباحث میں حصہ لے چکے ہیں مشاہیر اُردو کی زندگی اور ان کی ادبی خدمات پر مقالے پڑھ چکے ہیں ڈاکٹر صاحب کی کتابوں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے ادبی مطالعے ۱۹۷۸ء،
ادبی جائزے ۱۹۹۰ء، ادبی تناظر ۱۹۹۳ء، TRI COLOUR —
FLY OVER HILLS — مخدوم —
جن کو ملک کی بعض اُردو اکیڈیمیوں نے ایوارڈ سے نوازا ہے ڈاکٹر صاحب نوجوان شاعروں، ادیبوں کی سرپرستی میں فراخ دلی سے کام لیتے ہیں مجھے اُردو ہال کے ایک مشاعرہ کی یاد آرہی ہے مشاعرہ جاری تھا میں کسی سے ملنے کے لئے ہال کے باہر آیا تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ کہاں جارہے ہو لوگ تمہیں سننا چاہتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو نئے شاعروں سے کس قدر دلچسپی ہے خاص طور پر اُردو، ہندی اور تلگو شاعر و ادیب اُن کی عظمت و بلندی کے معترف ہیں۔ تلگو ملک الشعراء ڈاکٹر داسرتھی سے ان کے گہرے مراسم تھے پدم وبھوشن ڈاکٹر سی نارائن

رنبدی ستارے سے بھی ان کی بہت اچھی دوستی ہے ڈاکٹر صاحب جب رکن پارلیمنٹ تھے تو اُن دنوں انہوں نے اردو کے مسائل پر کھل کر اردو والوں کی نمائندگی کی تھی سابق وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو سے ان کے مراسم تھے موجودہ وزیر اعظم ہند مسٹر اٹل بہاری واجپائی سے بھی روابط ہیں تمام صدور جمہوریۂ ہند بھی ڈاکٹر صاحب کی ہمہ جہتی خدمات کے معترف رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کوئی دولت نہیں کمائی۔ ان کی دولت عوام کی محبت، غریبوں اور حاجت مندوں کی چاہت ہے اردو کے تمام حلقے ڈاکٹر صاحب سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں دل و جان سے ان کی قدر کرتے ہیں۔ ترقی پسند ادیب ہونے کے باوجود تمام مکاتب خیال کے دانشوروں سے ان کی رسم و راہ ہے ان کا یہ نظریہ ہے کہ چاہے وہ کوئی بھی انجمن ہو یا ادارہ ہو چاہے وہ کوئی بھی ادبی شخصیت ہو اگر وہ اردو زبان، اردو تہذیب کے لئے سود مند ہو تو ان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے۔ ڈاکٹر صاحب کو تمام ادبی حلقے پسند کرتے ہیں۔ ان کا احترام کرتے ہیں ان کی خدمات کو خراج پیش کرتے ہیں ڈاکٹر صاحب نے کئی سیاسی دور دیکھے ہیں حیدرآباد میں نظام کی حکومت بھی رہی۔ کانگریس کی حکومت بھی اور اب تلگو دیشم کی حکومت کو بھی دیکھ رہے ہیں۔

حیدرآباد کے نامور کائستھ گھرانے سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر راج بہادر گوڑ ہمارے شہر کے لئے، ہمارے ملک کے لئے ایک مایۂ ناز تحفہ ہیں جن کا سایہ معاشرہ کے ہر طبقہ کے لئے ناگزیر ہے۔

ڈاکٹر زینت ساجدہ

قابل ترین اُستانی۔ صاحبِ طرز نامور ادیبہ

ایسے طلباء و طالبات انتہائی خوش نصیب سمجھے جاتے ہیں جنھوں نے بہترین اساتذہ کی زیر سرپرستی اپنی تعلیم مکمل کی ہو۔ بہترین اُستاد کی حیثیت سے یاد کیا جانا بھی کسی اُستاد کے لئے ایک بڑا اعزاز ہے۔ قابل ترین اساتذہ اپنے عمدہ طریقۂ درس و تدریس اور اپنی خدا داد صلاحیتوں کی وجہ سے طلباء کے دل میں اپنا ایک مقام بنا لیتے ہیں جو روز روشن کی طرح نور پھیلاتا رہتا ہے ہر اُستاد کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُن کے شاگرد اپنی بہترین تعلیمی قابلیت سے نہ صرف اپنا مستقبل ہی روشن بنائیں۔ بلکہ انہیں بھی یاد رکھیں۔ اُستاد اور شاگرد کا رشتہ تعلیمی بھی ہوتا ہے اور سعادت مندانہ، عقیدت سے بھرپور اور جذباتی بھی ہوتا ہے۔ جو رشتہ تعلیمی رشتہ کے ساتھ عقیدت مندانہ اور سعادت مندانہ بھی ہوتا ہے اس کی اہمیت کا وہی لوگ

صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں جو اس مقدس رشتے کی دل و جان سے تعظیم و تکریم کرتے ہیں اچھے اساتذہ اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہوئے دوہری خوشی محسوس کرتے ہیں ایک تو یہ کہ وہ دیانت داری کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو سنبھالتے رہتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ ان کے عمدہ طریقۂ تعلیم سے ان کے شاگرد اپنے بہترین مستقبل کی جانب رواں رواں رہتے ہیں۔ ان خصوصیات کے حامل اساتذہ میں ڈاکٹر زینت ساجدہ کا نام بھی اچھے اساتذہ کی اولین فہرست میں دکھائی دیتا ہے۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ کے سینکڑوں شاگرد ہیں لیکن ان کے شاگردوں میں بعض ایسے شاگرد بھی ہیں جنھوں نے مختلف شعبۂ حیات میں نمایاں مقام بنا لیا ہے۔ بے شمار ایسے اہل قلم بھی ہیں جو شاعری ادب و صحافت میں ایک مقام بنا چکے ہیں مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں ڈاکٹر صاحبہ کا شاگرد رہا ہوں۔ وہ بہ حیثیت صدر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ سبکدوش ہوئیں۔ زینت آپا اعزازی طور پر اردو کالج کے طلباء کو پڑھاتی تھیں۔ میں ۔ ٦ ـ ۱۹۵۹ء میں بی اے ایل کے طالب علم کی حیثیت سے ان کے زیر تعلیم رہا۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے زیر اہتمام اردو ہال، حمایت نگر کے احاطہ میں اردو اورینٹل کالج قائم ہے پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد کالج کے پرنسپل تھے ڈاکٹر زینت ساجدہ تاریخ ادب اردو اور شاعری پڑھاتی تھیں۔ ان کے

حالت یہ کا اتنا اچھا تناسب تھا کہ کوئی ایک طالب علم بھی کلاس سے غیر حاضر نہیں رہتا تھا پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ ڈاکٹر صاحبہ کی کلاس کب ختم ہوتی تھی۔ تمام طلباء نہایت انہماک اور پوری توجہ کے ساتھ لیکچر سنتے تھے بعض اساتذہ کی شخصیت کچھ اس طرح کی ہوتی ہے کہ طلباء ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں طلباء کو اپنے استاد سے ایک عقیدت سی ہو جاتی ہے ڈاکٹر صاحبہ کے آج جتنے شاگرد اعلیٰ مقام پر ہیں وہ ان کے شاگرد ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ ایک بہترین استاد کی حیثیت سے ہی نہیں ایک اعلیٰ مرتبت، صاحب طرز ادیبہ کی حیثیت سے بھی شہرت رکھتی ہیں بہترین مقرر بھی ہیں۔ جس ادبی جلسے میں ڈاکٹر صاحبہ کو مدعو کیا جاتا ہے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کی شرکت ہی جلسے کی کامیابی کی ضامن ہے میں نے بیسیوں جلسوں میں زینت آپا کی تقریریں سنی ہیں۔ میں اردو مجلس (انجمن ترقی اردو) کا ۱۸ برس تک معتمد رہ چکا ہوں۔ ہر اہم جلسے میں انھیں مدعو کیا کرتا تھا اردو مجلس کی ادبی تقاریب میں اس دور کے تمام مشاہیر اردو پروفیسر حبیب الرحمٰن صاحب، پروفیسر ہارون خان شروانی، پروفیسر سید محمد رائے جانکی پرشاد، ڈاکٹر حسینی شاہد وغیرہ۔ کبھی خاص خاص جلسوں میں جناب عابد علی خان اور جناب محبوب حسین جگر صاحب اور مخدوم محی الدین صاحب اور میر حسن صاحب بھی شرکت کرتے تھے ڈاکٹر زینت ساجدہ ایک ترقی پسند ادیبہ کی حیثیت

سے ادبی حلقوں میں شہرت رکھتی ہیں وہ صفِ اول کے مشاہیرِ اردو
کے ساتھ اپنی پُر اثر تقریر کے ذریعہ ساری محفل پر چھا جاتی تھیں میں
نے بعض اعلیٰ ترین ادبی جلسوں میں دیکھا ہے کہ زینت آپا کا خطاب حاصلِ
اجلاس رہا کرتا تھا۔
مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنے ایک شعری مجموعۂ کلام "رشتوں کی مہک"
کی رسمِ اجرار تقریب میں ڈاکٹر زینت ساجدہ کو بہ حیثیت مہمانِ خصوصی
مدعو کیا تھا زینت آپا نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا تھا کہ مجھے اظہارِ خیال کا
پورا پورا حق ہے اس لئے کہ صلاح الدین نیرؔ ہی میرا شاگرد نہیں ہے بلکہ
اُس کا بیٹا بھی میرا شاگرد ہے۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ اُن دنوں نظام
کالج میں صدر شعبۂ اردو تھیں میرا بیٹا شمس الدین عارف نظام کالج سے
بی ایس سی کر رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحبہ سے اردو پڑھتا تھا ڈاکٹر زینت ساجدہ
ایک ہونہار طالب علم کی حیثیت سے میرے لڑکے کی سرپرستی کرتی رہیں
تمام طلبار میں عارف کو کچھ زیادہ ہی اہمیت دیتی تھیں۔ عارف بھی
بہت خوش تھا کہ وہ ایک بہترین استانی کا شاگرد ہے ڈاکٹر زینت ساجدہ
ایک مشفق استاد کی طرح اپنے شاگردوں کے مستقبل کے لئے فکر مند رہتی
تھیں شمس الدین عارف نظام کالج سے درجۂ اول میں بی ایس سی کامیاب
کرنے کے بعد یہ چاہتا تھا کہ میڈیکل سائنس کا کورس کرے ایم بی بی ایس
انٹرنس ٹسٹ میں صرف دو نمبر سے ناکام رہا۔ اُن دنوں اُس کی خواہش

تھی کہ اپنے ماموں ڈاکٹر لطیف کے پاس امریکہ چلا جائے لیکن اُن کی والدہ اپنی خرابیٔ صحت کے باعث اجازت نہ دے سکیں۔ اُن دنوں اردو مجلس کے کسی اجلاس کو فطعیت دینے کے لئے جب میں اپنے محترم استاد ڈاکٹر حسینی شاہد سے ملنے کے لئے ان کے دولت خانے پر پہونچا اُس وقت ڈاکٹر زینت ساجدہ نے عارف کے بارے میں دریافت کیا اور مشورہ دیا کہ ایم ایس سی کے لئے علی گڈھ بھیج دو۔ علی محمد خسرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ ہیں وہ ڈاکٹر سید عبدالمنان اور عابد علی خان صاحب کے اچھے دوستوں میں سے ہیں کسی ایک سے سفارشی خط لے کر خسرو صاحب کے پاس بھیج دو۔ میں نے ڈاکٹر صاحبہ کے مفید مشورہ کو سر آنکھوں پر بیٹھا کر عابد علی خان صاحب سے سفارشی خط کی خواہش کی۔ عابد علی خان صاحب نے ایک پُر اثر خط خسرو صاحب کے نام لکھ دیا عارف نے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں خسرو صاحب سے ملاقات کی اور اس کو ایم ایس سی میں داخلہ مل گیا۔ داخلہ تو مل گیا لیکن رہائش کا سوال تھا اُس وقت ہاسٹل میں کسی ایک طالب علم کے لئے بھی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے اپنے شاعر دوست شہریار کو جو یونیورسٹی میں استاد تھے خط لکھا تھا۔ پروفیسر مغنی تبسم صاحب سے بھی احتیاطاً ایک خط لکھوالیا تھا کہ اگر یونیورسٹی میں کوئی مسئلہ ہو تو عارف کا خیال رکھیں۔ شہریار صاحب نے اپنے ایک پی ایچ ڈی کے شاگرد کے روم میں عارف کی رہائش کا عارضی طور پر

انتظام کیا۔ پھر دو ماہ بعد باضابطہ ہاسٹل کا انتظام ہو گیا عارف نے درجۂ اول میں ایم ایس سی کا امتحان کامیاب کیا۔ آج وہ اللہ کے فضل سے ریاض (سعودی عرب) کی ایک کیمیکل کمپنی میں مینیجر ہے۔ اس تفصیل کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ اگر کسی شخص کو صحیح وقت پر صحیح رہنمائی مل جائے تو زندگی کہاں سے کہاں پہونچ جاتی ہے ڈاکٹر زینت ساجدہ جس وقت کلیۂ اناث (جامعہ عثمانیہ) میں اردو کی استاد تھیں تو وہ بہت سے معیاری تہذیبی پروگرام ترتیب دیا کرتی تھیں وہ پروگرام آج بھی یاد کیئے جانے کے قابل ہیں۔ خود میں نے بھی ایک تہذیبی پروگرام "بہادر شاہ ظفر" میں شرکت کی تھی جس کا تاثر آج بھی میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے ڈاکٹر زینت ساجدہ بہترین ناظم مشاعرہ بھی رہی ہیں مجھے ادبی ٹرسٹ کا ایک عظیم الشان مشاعرہ یاد ہے اس مشاعرہ میں ممتاز شاعر سکندر علی وجد نے بھی کلام سنایا تھا ڈاکٹر زینت ساجدہ معتمد مشاعرہ تھیں برجستہ جملے کہنے میں ماہر ہیں اس مشاعرہ میں، میں نے بھی کلام سنایا تھا۔ سکندر علی وجد کو اس مشاعرہ میں خاطر خواہ داد نہیں مل سکی۔ جب وہ غزل پڑھ کر واپس ہو رہے تھے تو زینت آپا نے غالب کا یہ شعر پڑھا ؏

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

پھر کہا "جو دیا اُس کا بھی بھلا اور جو نہ دیا اُس کا بھی بھلا"۔ یہ سنتے ہی سکندر علی وجد بریم ہو کر مائک پر آ گئے اور کہا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ زینت ساجدہ کا ادبی ذوق ایسا بھی ہے۔ وہ بہت خفا ہوئے مخدوم محی الدین، شاہد صدیقی، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، سرینواس لاہوٹی، مجروح سلطان پوری، علی سردار جعفری پر بھی انتہائی بے باکی کے ساتھ اس طرح کے جملے چست کیا کرتی تھیں وہ اس انداز سے گل افشانی کرتی تھیں کہ کوئی بھی اہلِ قلم اُن کی باتوں کا بُرا نہیں مانتا تھا میرے استاد ابوظفر پروفیسر عبدالواحد زینت آپا کی صلاحیتوں کے بے حد مداح تھے۔ ڈاکٹر حسینی شاہد کو بھی بہت چاہتے تھے دونوں پروفیسر ابوظفر صاحب کے شاگرد رہ چکے ہیں شاہد صاحب کو برخوردار کہہ کر مخاطب کرتے تھے جس وقت ڈاکٹر زینت ساجدہ کو حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے ۱۹۸۰ء میں بسٹ ٹیچر ایوارڈ ملا تو اردو ہال میں اُن کے شاگردوں نے ایک مثالی تہنیتی تقریب کا اہتمام کیا تھا۔ میں نے کسی استاد کی اتنی شاندار تہنیتی تقریب نہیں دیکھی۔ یہ دراصل تنگ دامنی کی شکایت کر رہا تھا ہر شاگرد کے ہاتھ میں پھولوں کا ہار تھا میں نے اس خوشگوار موقع پر ایک تہنیتی نظم سنائی تھی وہ نظم آج بھی ڈاکٹر صاحبہ کے ڈرائینگ روم میں آویزاں ہے اردو ہال میں منعقدہ ایک اجلاس کے بعد ڈاکٹر اکبر علی بیگ، ڈاکٹر طیب انصاری اور میں زینت آپا سے ملنے کے لئے

سشہ نشین پر پہونچے۔ اکبر علی بیگ نے کہا آپا آپ کے تین سعادت مند شاگرد آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ خوش ہوئیں مگر میرے بارے میں کہا کہ صلاح الدین، شاہد کے چہیتے شاگرد ہیں وہ یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ میں ہی نہیں شاہد بھی نیر کو چاہتے ہیں بلا شبہ ڈاکٹر حسینی شاہد میرے بیحد شفیق استاد تھے میری ان سے والہانہ وابستگی تھی شاہد صاحب بھی مجھے بہت عزیز رکھتے تھے وہ کس حد تک مجھے عزیز رکھتے تھے اس کا تفصیلی ذکر اس سے پہلے اپنے ایک مضمون میں میں نے کیا ہے۔

ڈاکٹر زینت ساجدہ نے جامعہ عثمانیہ سے ۱۹۷۳ء میں ڈاکٹر مسعود حسین خان صدر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ کی زیر نگرانی ڈاکٹریٹ کی تکمیل کی۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ کی کتابوں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے" جلترنگ محب وطن خواتین، حکمراں خواتین، تلگو ادب کی تاریخ، دکنیات شناسی، علی عادل شاہ ثانی۔ یہ کتابیں اردو ادب میں ایک اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں حیدرآباد کے ادیب حصہ اول و دوم کی مرتبہ تھیں "سیاست" اخبار میں ڈاکٹر صاحبہ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں مجھے یہ بھی یاد ہے کہ کسی خاص موضوع پر مضمون لکھوانا ہو تو محترم محبوب حسین جگر صاحب بہ اصرار لکھواتے تھے زینت آپا نہایت شستہ، بامحاورہ دل پر اثر کرنی والی زبان لکھتی ہیں "سیاست" اخبار میں ان کے مضامین

کے انتقال کے بعد اخبار کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ زاہد علی خان
صاحب نے سیاست کی اعلیٰ روایت کی پاسداری کرتے ہوئے اخبار کو
مزید بلند سطح پر پہونچایا ہے سیاست کی جانب سے گذشتہ ۷ برسوں سے
سیاست پندرہ روزہ انٹرنیشنل شائع ہو رہا ہے پھر سیاست بنگلور
ایڈیشن نے بھی سیاست کی مقبولیت میں اضافہ کیا ہے یہ صرف اور
صرف زاہد علی خان صاحب کی ذہانت، اُن کے حوصلے اور اُن کی دانشوری
کا ہی نتیجہ ہے کہ سیاست کا ہر شعبہ نہایت عمدگی اور ذمہ داری کے ساتھ
اپنا کام انجام دے رہا ہے۔ زاہد صاحب کے چھوٹے بھائی ظہیر الدین علی خان
صاحب مینیجنگ ٹرسٹی کی مساعی جمیلہ اور اُن کی ذمہ دارانہ طرزِ صحافت
زاہد علی خان صاحب کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے پھر اُن کے
جوان سال فرزند عامر علی خان صاحب نیوز ایڈیٹر سیاست کا روشن
دماغ، اُن کی کام سے دلچسپی سیاست کی ترقی و بہتری کے لئے کارفرما
ہے۔ آفس کا دیانت دار اسٹاف بھی نہایت فرض شناسی کے ساتھ
اپنی ذمہ داریوں کو نبھا رہا ہے۔

خوشگوار ماحول میں سبھی لگن سے کام کرنے والے لوگ سیاست
کی مقبولیت میں معاون ثابت ہو رہے ہیں۔ ساری اُردو
دُنیا میں سیاست کا نام روزِ روشن کی طرح ہر قاری کے گوشۂ دل
میں جلوہ گر ہے۔ زاہد علی خان صاحب بہ ذاتِ خود ایک بلند سرشت

پدم وبھوشن ڈاکٹر سی نارائن ریڈی سنارے

(جامعہ عثمانیہ کے لائق سپوت)

کسی بھی شخص کے بارے میں یہ قیاس آرائی ایک سوالیہ نشان بن کر
رہ جاتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے سفر میں کن کن مرحلوں سے گذرتے ہوئے
شہرت کی آخری حدوں تک پہونچ سکتا ہے لیکن بعض شخصیتوں سے ملنے کے
بعد اس بات کا پتہ چل جاتا ہے کہ ایسے غیر معمولی صلاحیت رکھنے والے لوگ
ایک نہ ایک دن شہرت و عظمت کی آخری منزل پر پہونچ جائیں گے۔ جب
ایسی شخصیتوں سے مل کر یہ احساس ہو کہ یہ شخصیتیں اپنے ہی قبیلے کے آدمی
ہیں تو ساری ذہنی تھکن دور ہو جاتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ دل و
دماغ معطر فضاؤں میں سیر کر رہے ہیں۔

انسان کو اپنی زندگی میں کچھ ایسے انسانی رشتوں سے بھی سابقہ پڑتا ہے
جن کی وابستگی سے فہم و ادراک کے بیشتر گوشے اُجالوں کا سفر طے کرتے
ہوئے پُر نور فضاؤں میں پھیل جاتے ہیں زندگی کے سفر میں کچھ ایسی

شخصیتوں سے بھی ملاقات ہو جاتی ہے جن سے مل کر فکر و خیال شعور و وجدان
کی شمعیں جگمگانے لگتی ہیں اور جن کی محبت، عنایت، مروت، روشن خیالی،
اور شائستہ مزاجی کی وجہ سے معاشرہ کے خدوخال میں رنگ و نور کی بارش ہونے
لگتی ہے معاشرے کی ایسی نمائندہ شخصیتیں، رشتوں کی مہک کا احساس دلاتے
ہوئے خوشبو کا سفر طے کرتی ہیں تو کتنے ہی لوگ پرنور فضاؤں میں
اپنی زندگی کی صبح و شام کو سموتے ہوں گے جب ایسے کامیاب و بامراد
لوگ سر اٹھا کر کامرانی کے ساتھ اپنی زندگی کا سفر طے کرتے ہیں تو بے شمار
افراد ان کے کاروان خود شناسی میں شریک ہوتے ہوئے ایک ایسی منزل
کی طرف بڑھتے ہیں۔ جس کی کوئی حدِ آخر نہیں ہوتی۔ ایسے ہی باکمال اور
خوش نصیب لوگوں میں گیان پیتھ ایوارڈ یافتہ ممتاز شاعر پدم وبھوشن
پروفیسر سی نارائن ریڈی ستارے ایم پی کا نام بھی سرِفہرست دکھائی دیتا
اپنے گھر کے خاص تہذیبی ماحول سے آراستہ پیراستہ ہونے کے بعد جب
ڈاکٹر ریڈی نے کریم نگر سے حیدرآباد کا رُخ کیا تو یہاں انہیں مختلف النوع
مزاج لوگوں سے سابقہ پڑا۔ وہ سب کے ساتھ رہتے لیکن اپنے ضمیر کی
آواز کو سنتے ہوئے اپنے انداز سے شب و روز گذارتے رہے۔

مادرِ جامعہ عثمانیہ اپنے جن لائق فرزندوں پر ہمیشہ ناز کرتی رہے گی
اور جب مورخ جامعہ عثمانیہ کے عالمی شہرت یافتہ سپوتوں کی فہرست بنائے گا
تو ڈاکٹر ریڈی کا نام اس فہرست میں سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا۔

جامعہ عثمانیہ کے ماحول نے ڈاکٹر ریڈی کو تہذیب و تمدن کا بھائی چارگی

رواداری، نشست و برخاست کا سلیقہ اور آدابِ گفتگو کا درس دیا ہے فاضل اساتذہ کی ذہنی تربیت نے انہیں زندگی کے طویل سفر کو کامرانی و کامیابی کے ساتھ طے کرنے کا گر سکھایا ہے۔ اچھا ماحول، اچھے ساتھیوں اور اچھے دوستوں کی خوشبو ان کے فکر و خیال کو مہکاتی رہی ہے۔

ہم عثمانین کے لئے یہ خود بھی ایک بڑا اعزاز ہے کہ ہم میں سے ایک شخص حیدرآباد کی تہذیب، روایات اور یہاں کی عطر بیز ماحول میں سانس لیتا ہوا اپنے ارتقائی سفر کو جاری رکھتے ہوئے وائس چانسلر کے اعلیٰ عہدہ پر فائز رہ چکا ہے۔

میں اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں تلگو کے جن نامور شاعروں کی شاعرانہ صلاحیتوں، اُن کی شہرت و عظمت اور ادبی حلقوں میں ان کے فکر و فن کی مقبولیت اور پذیرائی سے واقف تھا اُن میں ڈاکٹر سی نارائن ریڈی کا نام بھی شامل تھا۔ ڈاکٹر ریڈی سے پہلی ملاقات سے قبل میں اُن کی تلگو فلمی شاعری سے بھی واقف تھا تلگو کے اس شاعر سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا جن کی شاعری میں اردو کے الفاظ بھی ملتے ہیں اور جو حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب و روایت کو اپنی کو نیاؤں اور اپنے فلمی نغمات میں سموتا رہتا ہے جس زمانے میں ڈاکٹر ریڈی شعبۂ تلگو جامعہ عثمانیہ سے وابستہ تھے اُس زمانے سے ہی وہ تلگو فلموں کے لئے لکھ رہے تھے اور ان کے نغموں کی شہرت پھیلتی جا رہی تھی۔

ڈاکٹر صاحب سے میری پہلی ملاقات ایک یادگار و عظیم الشان جلسۂ عام

میں اُس وقت ہوئی جب ڈاکٹر نیلم سنجیوا ریڈی صدر جمہوریہ ہند بننے کے بعد پہلی دفعہ حیدرآباد آئے تھے اور جن کا شہریانِ حیدرآباد و سکندرآباد کی جانب سے پبلک گارڈن کے (لان) پر شاندار پیمانے پر استقبال کیا گیا تھا۔ اس تقریب میں مجھے صدر جمہوریہ ہند کو تہنیتی نظم سنانے کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ اُردو شاعروں میں یہ اعزاز مجھے حاصل ہوا تھا۔ اس پہلے تعارف کے بعد ڈاکٹر صاحب سے سرکاری و غیر سرکاری مختلف تقاریب میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

ڈاکٹر صاحب سے میرے تقریباً ۳۵ سالہ دوستانہ مراسم ہیں لیکن گذشتہ ۲۰، ۲۵ سال سے ہم ایک دوسرے کے بہت زیادہ قریب آگئے ہیں اُردو شعر و ادب سے متعلق جب کوئی بات دریافت طلب ہو یا کسی موضوع پر مشورہ مقصود ہو یا مشورۂ سخن درکار ہو تو وہ مجھے فون کرتے یا موٹر بھیج کر تلگو یونیورسٹی یا اپنے گھر بلاتے ہیں۔ یہ سلسلہ استواری کے ساتھ برسوں تک جاری رہا۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ نئے شاعروں اور نئے دوستوں سے بلا تحفظِ ذہنی ملا کرتے ہیں۔ ان میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنے دوستوں کو نوازنا چاہتے ہیں تو مناسب موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ تلگو یونیورسٹی میں جب ایم اے اردو کے کورس کی تیاری کے سلسلے میں بورڈ آف اسٹڈیز کی تشکیل عمل میں لائی گئی تو اس میں میرا نام بھی شامل تھا ڈاکٹر صاحب نے فون پر مجھے اس بات کی اطلاع دیتے ہوئے یہ بھی کہا تھا

کہ میں نے آپ کا نام خصوصیت کے ساتھ شامل کیا ہے جب میں نے یہ کہا کہ میں نہ تو کسی کالج کا لکچرر ہوں، نہ کسی یونیورسٹی کا ڈاکٹر یا پروفیسر تو پھر آپ نے مجھے کیوں بورڈ آف گورنرس میں شامل فرمایا تو ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ جب ایک شاعر کی شخصیت اور اس کے فن پر یونیورسٹیز میں ریسرچ ہو سکتا ہے تو کیوں نہ اُس کی صلاحیتوں سے تعلیمی امور میں بھی استفادہ حاصل کیا جائے۔ میں نے آپ کا نام شامل کر کے ایک خوشگوار روایت کی بنیاد ڈالی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت لسانی مسائل پر ہمیشہ غیر نزاعی رہی وہ سلجھے ہوئے دانشوروں کی طرح لسانی مسائل پر اس انداز سے گفتگو کرتے ہیں کہ سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ ان کی اپنی زبان کے ترجمان و نمائندہ ہیں ڈاکٹر صاحب ملک کی تمام زبانوں کا احترام کرتے ہیں۔ اردو زبان کی عظمت اس کے رچاؤ اور اس کی دل کو چھونے والی کیفیات کو بے حد پسند کرتے ہیں ان کا یہ لسانی نظریہ ہے کہ ملک کی ہر زبان کو اس کا دستوری حق ملنا چاہیئے جس طرح ہر شہری کو دستور کی روشنی میں سانس لینے کا حق حاصل ہے۔

ڈاکٹر صاحب جس زمانے میں آفیشل لینگویج کمیشن کے صدر نشین تھے تو اُن دنوں تلنگانہ ملازمین خاص طور پر مسلمان ملازمین تلگو نہ جاننے کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھے جب ڈاکٹر صاحب نے اپنی خدمت کا جائزہ لیا تو انہوں نے آفیشل لینگویج کی پالیسی کو متوازن

بنا دیا۔ وہ بات نہیں رہی جو اُن سے پہلے کے چیئرمین کے زمانے میں تھی۔
سکریٹریٹ میں ڈاکٹر صاحب کا اجلاس اور میرا سکشن ایک ہی بلڈنگ میں واقع تھا۔ اکثر ان سے ملاقات ہوتی تھی کبھی تو لفٹ کے پاس اور کبھی اُن کے موٹر میں سوار ہوتے وقت اور کبھی موٹر سے اترتے وقت اور کبھی اُن کے اجلاس پر۔ جب کبھی ملازمین کے لئے تلگو میں نوٹنگ اور مراسلت کا مسئلہ درپیش ہوتا تو میں اُن سے آفس میں ملتا اور اس مسئلہ پر گفتگو رہتی۔ میں کہتا کہ تلنگانہ کے ایسے ملازمین سرکاری دفاتر میں بہت کم رہ گئے ہیں جو تلگو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں اور جو حکومت کی حالیہ پالیسی واحکامات سے سخت پریشان ہیں آپ تلگو نوٹنگ و مراسلت کے سلسلے میں نرم پالیسی اختیار کریں (جیسا کہ آپ کی طبیعت کا خاصہ ہے) تو مناسب ہوگا۔ اُنھوں نے کہا کہ میں جب بھی کلکٹرس کی میٹنگ بلاتا ہوں یا اضلاع کے دورہ پر جاتا ہوں تو متعلقہ محکموں کے سربراہوں سے یہی کہتا ہوں کہ جنھیں تلگو آتی ہے وہی تلگو میں مراسلت کریں اور جنھیں تلگو نہیں آتی انھیں مجبور نہ کیا جائے بلکہ انھیں تلگو لکھنے پڑھنے کی ترغیب دی جائے اور ایسے ملازمین جن کی عمر ۴۵ سال سے تجاوز کر گئی ہے اور وہ جو وظیفہ کے قریب ہیں انھیں مستثنیٰ رکھا جائے ڈاکٹر ریڈی کی چیرمین شپ کا دور ملازمین سرکار کے لئے نہایت سکون اور اطمینان کا رہا۔

ڈاکٹر صاحب اپنے دوستوں سے ہی نہیں عام لوگوں سے بھی خندہ پیشانی

سے پیش آتے ہیں ان کے انداز تخاطب میں نرمی ہے لہجہ میں مٹھاس ہے۔ پرکشش شخصیت میں ایک بانکپن ہے شگفتگی اور شائستگی ان کے لب ولہجہ کی پہچان ہے ڈاکٹر صاحب بہترین دوست، بہترین دانشور اور بہترین شاعر دنیا میں شمار کئے جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ انسانی رشتوں کے ترجمان ہیں ڈاکٹر صاحب نہایت سادگی اور خوش اخلاقی کے ساتھ معاشرہ کے ہر اُس شخص سے بھی روابط رکھنا چاہتے ہیں جو روشنی کی تلاش میں اندھیروں کی رہ گذر سے بھی گذرتا رہتا ہے جب ایک دفعہ وہ کسی سے ملتے ہیں تو برسوں گزرنے کے بعد اگر اُس سے کہیں ملاقات ہو تو اس کو پہچان لیتے ہیں شناخت اور پہچان کے معاملے میں ان کی حسیات بہت تیز ہیں۔ اپنی شرافت، دوستانہ اور مخلصانہ رویہ کی وجہ سے حیدرآباد کی ہر نمائندہ سوسائٹی میں عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں وہ اپنے حیدرآبادی دوستوں سے اردو میں بات کرتے ہیں ان کی گفتگو میں شگفتگی و شائستگی کے ساتھ اپنا پن بھی ملتا ہے ڈاکٹر صاحب فطرتاً بہت سنجیدہ طبیعت کے مالک ہیں۔ قدرت نے انھیں ظرافت کی نعمت سے بھی نوازا ہے۔ دورانِ گفتگو ظریفانہ جملوں سے محفل کو لالہ زار بناتے رہتے ہیں۔ انھیں قدرت نے خوش مزاجی، خوش پوشی، خوش نگاہی اور خوش اخلاقی فراخ دلی کے ساتھ عطا کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب ایک سیکولر ذہنیت اور روشن خیالات رکھنے والے انسان کی حیثیت سے بھی معاشرے میں اپنا ایک منفرد مقام بنا چکے ہیں۔ ان کے ہاں کسی قسم کا بھید بھاؤ نہیں ہے انھیں اس بات سے کوئی سروکار

نہیں ہے کہ کون کس مذہب، کس عقیدہ اور کس زبان سے تعلق رکھتا ہے وہ انسان کو انسان کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ ان کے دوستوں اور چاہنے والوں کی فہرست میں ہر وہ شخص شامل ہے جو زندگی کی مثبت قدروں کی پاسداری کرتا ہو۔ ڈاکٹر صاحب جیسے اعلیٰ ظرف، وضع دار لوگ بہت کم ملتے ہیں جو بلند مرتبہ کے حامل ہونے کے باوجود انسانی کمزور رشتوں سے گھبرائے ہوئے لوگوں سے بھی اپنا رشتہ رکھتے ہیں وہ معاشرے میں بکھرے ہوئے تمام انسانی رشتوں کو سمجھتا جانتے ہیں اپنوں اور غیروں کی خوشیوں اور مسرتوں اور اُن کے دُکھ درد میں بھی برابر کے شریک رہتے ہیں۔

تلگو شاعری میں صنفِ غزل کو پروان چڑھانے میں ڈاکٹر صاحب کا ایک غیر معمولی کارنامہ ہے اُردو غزل کے تمام شعری لوازمات، مطلع، مقطع قافیہ، ردیف، تخلص اور شعر کے دونوں مصرعوں کا آپس میں ربط کا خاص طور سے کامیابی کے ساتھ لحاظ رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے نام سی۔ نارائن ریڈی کی مناسبت سے ستارے تخلص اختیار کیا ہے۔ ان کی تلگو غزلوں کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ منظرِ عام پر آچکے ہیں جو کافی مقبول ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب عنقریب منتخب تلگو شاعری کا اُردو منظوم ترجمہ شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں چنانچہ انھوں نے اپنے کلام کا انتخاب شروع کیا ہے توقع ہے کہ جلد ہی وہ اس خوشگوار فریضہ سے بھی عہدہ برآں ہو گئے اُردو والے ڈاکٹر صاحب کو اپنی زبان کا شاعر سمجھتے ہیں اس لئے بھی حق بجانب ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی بیشتر تلگو نظموں کا کامیاب

اُردو منظوم ترجمہ کیا ہے اور ان کی بہت سی نظمیں روزنامہ سیاست میں شائع ہو چکی ہیں ڈاکٹر صاحب اُردو شاعروں میں تلگو شاعری سنا کر بھی داد حاصل کرتے ہیں عوام اور دانشوروں فکر و فن ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہیں وہ اس بات پر بھی فخر محسوس کرتے ہیں کہ انھوں نے عثمانیہ یونیورسٹی سے ذریعہ اُردو تعلیم گرایجوئیشن کیا ہے شستہ اُردو میں نہ صرف مخاطب کرتے ہیں بلکہ ریڈیو دوردرشن کے علاوہ ادبی جلسوں اور سمپوزیم کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی اُردو دوستی کا ثبوت دیتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے گذشتہ ۴۵ برسوں میں تلگو فلموں کے لئے سینکڑوں گیت اور نغمے لکھے ہیں وہ ایک کامیاب فلمی شاعر کی حیثیت سے بھی کافی شہرت رکھتے ہیں انھوں نے فلمی شاعری میں قدرتی مناظر، پیار محبت کے علاوہ انسانی اقدار اور انسانی رشتوں کو اہمیت دی ہے اپنی فلمی شاعری میں انھوں نے ادب کے دامن کو ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانا سماج کی نابرابری، حق تلفی، بگڑتے ہوئے سماج کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اُجالوں اور اندھیروں کے درمیانی فرق کے احساس کو جگایا ہے زندگی سے پیار کرنا اور اونچ نیچ کی دیواروں کو ڈھا دینا۔ انسانی رشتوں کی پذیرائی کرنا ان کی شاعری کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ ڈاکٹر صاحب دنیا کے بیشتر ممالک کا دورہ کر چکے ہیں ڈاکٹر صاحب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ حکومت نے ان کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے اس وقت وہ ریاستی حکومت کے شعبہ تہذیب و ثقافت کے اڈوائزر ہیں۔

ڈاکٹر صاحب بنیادی طور پر ترقی پسند شاعر ہیں لیکن ان کے ہاں عصری حسیت بھی بہ درجۂ اتم موجود ہے اردو کے شاعروں میں میرؔ، غالبؔ اقبالؔ، فیضؔ، مخدوم محی الدین اور ساحر لدھیانوی ان کے پسندیدہ شاعر ہیں اگر چہ کہ وہ کلاسیکی ادب کو سنگ میل اور بنیاد کا پتھر سمجھتے ہیں، لیکن ترقی پسند نقطۂ نظر کو وہ زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ انہیں معاشرہ میں ہر وہ انسان عزیز ہے جو اجالوں کی سرزمین پر مایوس اور غم زدہ لوگوں کو دیکھ کر اپنا دامن بھگو لیتا ہے۔

پروفیسر جعفر نظام

فرشتہ صفت ۔ نیک انسان

ہمیں اپنی روزمرہ زندگی میں بعض ایسی شخصیتوں سے بھی واسطہ رہتا
ہے جن کی موجودگی کے باوجود یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ موجود ہیں ۔
نہایت خاموشی، کم گوئی جیسی علامتیں ان کے وجود کا ایک نمایاں حصہ ہوتی
ہیں اس طرح کے خاموش طبع، کم آمیز، اور شریف لوگ، ذہین ہی نہیں
معاملہ فہم اور سنجیدہ بھی ہوتے ہیں اور جن کا کسی محفل میں ہونا ہی اس
بات کی طمانیت دلاتا ہے کہ جیسے بہت سے تھکے ہوئے مسافر ٹھنڈی
چھاؤں میں سستا رہے ہیں۔ پروفیسر جعفر نظام کی شخصیت ان
خصوصیات کی حامل ہی نہیں آئینہ دار بھی ہے پروفیسر صاحب کی
غیر معمولی شرافت نے ان سے ملنے والے لوگوں کو گرویدہ بنالیا ہے
محسوس ہوتا ہے کہ بتدریج پہلی صف کی خوشبو دوسری اور تیسری
صف سے ہوتے ہوئے ساری محفل میں پہنچ چکی ہے پروفیسر صاحب
کو کسی نے بھی کسی شخص سے زیادہ دیر تک گفتگو کرتے ہوئے نہیں دیکھا

ہو گا۔ جس موضوع پر بھی انہیں اظہارِ خیال کا موقع ملتا ہے اُس سے انصاف کرتے ہیں پروفیسر صاحب کو میں صرف اُردو تنظیموں اور اُردو کے جلسوں کے حوالے سے ہی جانتا ہوں۔ ان سے میں دس بارہ سال سے ہی واقف ہوں۔ (غالباً وہ مجھ سے واقف تھے) ایک دن پروفیسر صاحب سے اُردو اکیڈیمی کی کسی میٹنگ میں ملاقات ہوئی۔ اُس وقت جناب جلیل پاشاہ اُردو اکیڈیمی کے صدر نشین تھے جیسے ہی میں روم میں داخل ہوا مجھے دیکھ کر جعفر نظام صاحب نے سلام کیا۔ میں وعلیکم السلام کہہ کر اُن کے بازو بیٹھ گیا۔ مجھے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ صاحب کون ہیں جنھوں نے مجھے سلام کیا۔ دورانِ اجلاس معلوم ہوا کہ وہ پروفیسر جعفر نظام ہیں پروفیسر جعفر نظام صاحب جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ درس و تدریس سے وابستہ رہ چکے ہیں کاکتیہ یونیورسٹی ورنگل میں وائس چانسلر تھے۔ اپنے ریٹائرمنٹ کے بعد جب پروفیسر صاحب حیدرآباد آئے تو یہاں کی علمی و ادبی محفلوں میں شریک ہونے لگے جعفر نظام صاحب پانچ برس سے ادارۂ ادبیاتِ اُردو کے صدر نشین ہیں سابق صدر ادارۂ ادبیاتِ اُردو، سابق وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ و مسلم یونیورسٹی علی گڈھ جناب ہاشم علی اختر امریکہ منتقل ہونے سے پہلے پروفیسر جعفر نظام کو صدر کی حیثیت سے نامزد کیا تھا اِس وقت پروفیسر مغنی تبسم

ادارہ کے معتمد ہیں پروفیسر مغنی تبسم صاحب کی ادارہ سے وابستگی کے بعد
ادارہ کی سرگرمیاں نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی سے جاری ہیں
میں نے ادارہ کی بعض محفلوں میں محسوس کیا ہے کہ پروفیسر صاحب
مجلسِ مشاورت کے ارکان کی رائے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے
ہیں یہ اتفاق آراء ادارہ کی سرگرمیوں کو بروئے کار لاتے ہیں
پروفیسر جعفر نظام اور پروفیسر مغنی تبسم کے مزاج میں ہم آہنگی
ہے شاید یہی وجہ ہے کہ ادارہ کی علمی و ادبی مصروفیات بغیر کسی
رکاوٹ کے جاری ہیں۔ جناب زاہد علی خان مدیر" سیاست" ادارہ
کے نائب صدر ہیں جن کے تعاون سے بھی ادارہ کی بہت سی اسکیمات
کو روبہ عمل لایا جارہا ہے ادارہ کے زیرِ انتظام کئی برسوں سے
بانیٔ شہر حیدرآباد محمد قلی قطب شاہ کی سالانہ تقاریب منائی
جارہی ہیں ادارہ کا انتظامیہ مختلف پروگرامس کی پیش کشی کے
سلسلے میں ہم خیال رہتا ہے تمام فیصلے آپسی صلاح و مشورہ سے
انجام پاتے ہیں۔ ادارہ کے خد و خال اور اس کی با مقصد سرگرمیوں
سے شہر کے تمام ادبی حلقے اچھی طرح واقف ہیں [illegible] مغنی تبسم صاحب کی
دلچسپی سے ادارہ میں کئی صحت مند تبدیلیاں لائی گئی ہیں۔ ادارہ
کے زیرِ انتظام ہونے والے اردو دانی، زبان دانی اور عالم اور
اردو فاضل کے امتحانات کی شہرت ساری اردو دنیا میں پہونچ چکی ہے

انشاء، اردو دانی، زبان دانی کے امتحانات کے سلسلے میں ادارۂ سیاست کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں ان امتحانات کے انعقاد کے سلسلے میں ادارۂ "سیاست" خاص دلچسپی لیتا ہے ہزاروں ناخواندہ، مسلم اور غیر مسلم افراد نے اِن امتحانات سے فائدہ اُٹھایا ہے (فائدہ اُٹھا رہے ہیں) ان امتحانات کے انعقاد کے سلسلے میں پروفیسر جعفر نظام، پروفیسر مغنی تبسم کے علاوہ مرزا اکبر علی بیگ پی جی کالج سکندرآباد اور پروفیسر انورالدین صدر شعبۂ اردو سنٹرل یونیورسٹی کا تعاون بھی حاصل رہتا ہے ادارۂ سیاست کی جانب سے ان تینوں امتحانات کے سلسلے میں طلبا کو مفت کتابیں فراہم کی جاتی ہیں سیاست کے منیجنگ ایڈیٹر جناب ظہیرالدین علی خان ان امتحانات کے نگران اور سربراہ ہیں۔

پروفیسر جعفر نظام ایک سنجیدہ مقرر بھی ہیں اُن کی تقریر کا ہر جملہ فکر انگیز ہوتا ہے جعفر نظام صاحب ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے سرپرستوں میں سے ایک ہیں دیگر سرپرستوں میں پدم بھوشن ڈاکٹر سی نارائن ریڈی ستارے ایم پی، ڈاکٹر سید عبدالمنان صدر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش اور خلیل الرحمن صاحب سابق ایم پی شامل ہیں ادارۂ میرا شہر میرے لوگ کے ہر اہم اور بڑے جلسوں میں پروفیسر جعفر نظام کو خصوصیت کے ساتھ

مدعو کیا جاتا ہے وہ بہ خوشی شرکت کرتے ہیں پروفیسر جعفر نظام میری کتابوں کی رسم اجرائی تقریب میں لازماً شریک رہا کرتے ہیں پروفیسر صاحب نے میرے نویں مجموعۂ کلام "کیا کیا جائے" کی رسم اجرائی تقریب میں شرکت فرمائی تھی جو ۱۹۹۶ء میں راج بھون میں منعقد ہوئی تھی جس کے میزبان گورنر آندھرا پردیش جناب کرشن کانت تھے جعفر نظام صاحب اور ڈاکٹر سید عبد المنان مہمانانِ خصوصی تھے ڈاکٹر سی نارائن ریڈی نے صدارت کی تھی پروفیسر جعفر نظام صاحب شہر کی بعض علمی و ادبی معیاری انجمنوں سے کسی نہ کسی حیثیت سے وابستہ ہیں پروفیسر صاحب کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ ادبی تقاریب میں مدعو کیا جاتا ہے خاص طور پر ایسے اجلاس جو اردو کاز کے لئے منعقد کیئے جاتے ہیں اُن میں وہ لازماً شریک رہا کرتے ہیں پروفیسر صاحب کے ملاقاتیوں میں جہاں شہر کی اہم شخصیتیں شامل ہیں وہیں اوسط درجے کے شہریوں سے بھی ان کی رسم و راہ ہے ان کے مزاج میں انتہائی سادگی ہے ہر ایک سے مسکراتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں بات کرتے ہیں اردو کے مسائل پر بہت زیادہ سنجیدہ ہیں ان کی تقریروں اور نجی گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اردو کے تحفظ اور اس کی بقاء کے سلسلے میں فکر مند ہیں مگر نا اُمید نہیں ہیں پروفیسر صاحب نے میری

درخواست پر ایوانِ پرنس معظم جاہ شجیع کی محفلوں میں بھی شرکت کی تھی میرے لئے یہ اعزاز کی بات ہے کہ میں جس کسی ادبی محفل میں ان سے شرکت کی خواہش کرتا ہوں وہ بلا تامل شرکت کرتے ہیں اپنے عمدہ و معلومات آفریں خیالات سے مستفید فرماتے ہیں پروفیسر حبیب ضیا ممتاز شاعرہ اور ادیبہ محترمہ عظمت عبدالقیوم کی یاد میں منعقدہ سالانہ جلسوں میں شرکت کرتے ہیں بانیٔ محفل خواتین و شاداں کالج نامور شاعرہ و ادیبہ محترمہ عظمت عبدالقیوم کی برسی کے موقع پر ہر سال ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے اعلیٰ پیمانے پر خراج عقیدت کے طور پر ادبی تقریب منعقد ہوا کرتی ہے شہر کے ممتاز دانشوروں کو مدعو کیا جاتا ہے شاداں کالج کے آڈیٹوریم عظمت نشاں میں سالانہ تقاریب ہوتی تھیں ادھر کچھ برسوں سے چیف پروموٹر شاداں کالج آف ایجوکیشن ڈاکٹر وزارت رسول خان کی رہائش گاہ شاہ منزل میں منعقد ہو رہی ہیں معیاری انجمن کے سربراہ چاہتے ہیں کہ پروفیسر صاحب ان کی محفلوں میں شرکت کر کے اس کی رونق میں اضافہ کریں۔ پروفیسر صاحب کبھی بھی موضوع سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کرتے ان کی تقریر کا ہر جملہ شگفتہ، شستہ اور بامقصد ہوتا ہے۔ میں نے خاص طور پر یہ بات بھی محسوس کی ہے کہ پروفیسر صاحب ادبی جلسوں میں وقت مقررہ پر پہونچ جاتے ہیں۔

ایم ۔ باگا ریڈی

(کامیاب سیاستداں ۔ اردو کے پرستار)

نامور سیاست داں، ممتاز ادیب جناب ایم باگا ریڈی سابق رکن پارلیمنٹ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ فرزندِ جامعہ عثمانیہ ہیں ۔ اردو زبان ادب سے وابستگی رکھتے ہیں باگا ریڈی صاحب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے جامعہ نظامیہ سے منشی فاضل بہ درجۂ اول کامیاب کیا اور انہیں ساری ریاست میں امتیازی حیثیت حاصل ہوئی ۔ یہ بات پولیس ایکشن سے پہلے کی ہے باگا ریڈی میرے منشی فاضل کے ساتھی ہیں میں نے بھی اسی سال منشی فاضل امتیاز کے ساتھ کامیاب کیا تھا جناب باگا ریڈی نے میری طرح ادارہ شرقیہ کی معرفت امتحان دیا تھا جس کے بانی مولانا حمید جناب باگا ریڈی ظہیر آباد کے متوطن ہیں اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کانگریس پارٹی میں اپنی شمولیت سے کیا ۔ ان کی عوامی مقبولیت کا یہ حال ہے کہ (۹) دفعہ ایم ایل اے بنے ۔ ریاستی منسٹر ہوئے ۔ ایم پی بھی

اور مرکزی حکومت میں وزیر رہے۔ ابتدائی سیاسی زندگی میں ضلع پریشد میدک کے چیر مین بھی تھے اپنے ادبی ذوق کی تسکین اور اردو زبان سے دلچسپی کے باعث ظہیرآباد میں ممتاز شاعر عبدالحکیم جمالی کے تعاون سے ایک ادبی انجمن بزم سخن قائم کی۔ اس انجمن کے زیر اہتمام کئی نمائندہ مشاعرے ہوئے اُن مشاعروں میں حیدرآباد کے ممتاز شاعروں کنول پرشاد کنول، اوج یعقوبی، خیرات ندیم، سلیمان اریب، ابن احمد تاب طالب رزاقی، رئیس اختر بھی مدعو رہے ہیں میں خود بھی کئی مشاعروں میں مدعو رہا ہوں جناب رئیس اختر بھی جناب باگا ریڈی کے ہم جماعت ہیں دونوں نے ہائی اسکول بیدر سے میٹرک کامیاب کیا ہے جناب باگا ریڈی انجمن تحفظ اردو حیدرآباد کے صدر رہے جبکہ جناب چیندر سر لو استو جنرل سکریٹری اور ڈاکٹر مصطفیٰ کمال شریک معتمد تھے جناب باگا ریڈی کو اردو تحریک سے شروع ہی سے دلچسپی ہے انہوں نے اردو زبان و ادب کی سرگرمیوں میں اپنے آپ کو مصروف رکھا۔ باگا ریڈی نہایت کم گو، خاموش طبع شریف انسان ہیں ان کا طرز تخاطب متاثر کن ہوتا ہے۔ ان کی سیاسی زندگی کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے میدک پارلیمانی حلقہ سے سابق وزیر اعظم ہند شریمتی اندرا گاندھی کے انتخاب کے لئے شب و روز محنت کی۔ الیکشن میں ایم پی کے امیدوار کی حیثیت سے اپنے آپ کو ہٹا کر اپنی جگہ پر اندرا گاندھی کو الیکشن میں

جتینے کے لئے قربانی دی اور اس حلقے سے الیکشن ایجنٹ مقرر ہوئے۔ باگا ریڈی کو ظہیر آباد کی مسلم اقلیتوں نے مدد کی۔ ہر الیکشن کے موقع پر ان کا بھر پور ساتھ دیا (آج بھی ان کا تعاون حاصل ہے) باگا ریڈی اپنے علاقے کے عوام کی جائز مدد کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں ریڈی صاحب نے اپنے علاقے کے ترقیاتی کاموں میں بھی پورے خلوص کے ساتھ کام کیا ہے میں باگا ریڈی صاحب کو اپنے دوستانہ مراسم کی وجہ سے اپنی کتابوں کی رسم اجراء تقریب میں مدعو کرتا رہتا ہوں شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہوگا کہ باگا ریڈی صاحب کو شخصی طور پر دعوت دینی پڑی ہو باگا ریڈی صاحب ہر ایک سے اپنی دوستی کا پاس رکھتے ہیں اپنے رکھ رکھاؤ سے یہ احساس کراتے ہیں ان کی چاہے کوئی بھی سیاسی حیثیت ہو" میں آپ کا دوست ہوں۔ اتنے اچھے مراسم کے باوجود میں نے کبھی بھی باگا ریڈی صاحب سے کوئی کام نہیں لیا۔ نہ ہی میں نے کسی کی سفارش کی۔ البتہ ایک واقعہ بڑا دلچسپ ہے جو میرے محکمہ پنچایت راج (سکریٹریٹ) سے تعلق رکھتا ہے باگا ریڈی صاحب محکمہ پنچایت راج میں منسٹر بن کے آئے تو مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ میں اس وقت سکشن آفیسر کے عہدہ پر تھا باگا ریڈی صاحب سے جب میں نے پہلی ملاقات کی تھی وہ بھی بہت خوش ہوئے اور کہا کہ آپ میرے پاس آجائیے بہ حیثیت پرائیوٹ سکریٹری۔ میں نے انکار کیا اور کہا کہ جب میں آپ کا سکریٹری بن جاؤں

گا تو میری دوستی داؤ پر لگ جائے گی۔

میرے محکمہ میں ایک نوجوان آئی اے ایس آفیسر مسٹر جوہری ڈپٹی سکریٹری بن کے آئے۔ P.O سکشن کے انچارج تھے جوہری صاحب نے اپنے عہدہ کا جائزہ حاصل کرنے کے کچھ ہی دن بعد سکشن آفیسرس کا مختلف شعبوں میں تبادلہ کر دیا۔ جن میں سے میں بھی ایک تھا میں اُن دنوں اکاؤنٹس سکشن میں کام کرتا تھا میرا تبادلہ پنچایت سکشن ع ا پر کیا گیا میں نئے سکشن میں رجوع ہوا خاموشی سے کام کرتا رہا لیکن میرے ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ ہم سب کا تبادلہ بغیر کسی وجہ کے کیا گیا ہے آپ باگا ریڈی صاحب سے مل کر انہیں صورت حال سے واقف کروائیے چونکہ وہ آپ کے دوست ہیں۔ میں نے اپنے ساتھی سکشن آفیسروں سے وعدہ کیا اور دو دن بعد میں نے باگا ریڈی صاحب سے لنچ کے دوران ان کے چیمبر میں ملاقات کی اور کہا کہ جوہری صاحب نے بغیر کسی وجہ کے ہم سب کا تبادلہ کر دیا ہے باگا ریڈی صاحب نے کہا کہ تبادلے کا آرڈر منسوخ ہو جائے گا۔ میں جوہری صاحب اور سکریٹری صاحب سے بات کروں گا۔ دو ہفتے گذر گئے لیکن کچھ بھی پیش رفت نہیں ہوئی پھر میں اپنے پنچایت راج ڈپارٹمنٹ کے ساتھیوں کے اصرار پر توجہ دلانے کے لئے دوبارہ باگا ریڈی صاحب سے ملنے کے لئے گیا اُس وقت باگا ریڈی صاحب کے اجلاس پر تمام اعلیٰ عہدہ دار

موجود تھے میں نے اس موقع پر ملاقات کرنے کے بجائے اُن کے نام یہ
شعر لکھ کر بھیج دیا اور واپس ہوا۔
جہاں چھوڑا تھا مجھ کو زندگی نے ؛ ابھی تک اُس دوراہے پر کھڑا ہوں
چپراسی نے میری چھٹی میٹنگ کے دوران یاگا ریڈی صاحب کے حوالے کی۔ یاگا
ریڈی صاحب نے مسٹر جوہری کو حکم دیا کہ آپ نے سکشن آفیسرس کے تبادلوں
کے جو آرڈر جاری کئے ہیں انہیں منسوخ کریں۔ میٹنگ کے بعد مسٹر جوہری
نے مجھے بلوایا۔ اُس وقت میں اپنے آفس کے ساتھیوں کے ساتھ کینٹین میں
تھا چپراسی نے مجھ سے کہا کہ جوہری صاحب آپ کو بلا رہے ہیں میرے
ساتھیوں نے کہا کہ آج کچھ ہونے والا ہے سب جانتے تھے کہ جوہری
صاحب ایک سخت گیر آفیسر ہیں پتہ نہیں کیوں بلوایا ہے؟ میں نے
جوہری صاحب کے اجلاس پر پہونچنے سے پہلے دروازہ پہ دستک دی
اور کمرہ میں داخل ہوا۔ آداب کہہ کر جوہری صاحب کے روبرو کرسی
پر بیٹھ گیا۔ جوہری صاحب نے ناگوار انداز میں ایک اچٹتی نظر مجھ
پر ڈالی اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے جوہری صاحب کا ایسا دبدبہ
اور رعب تھا کہ اُن کے پاس جانے کے لئے اسسٹنٹ سکریٹری تک
دروازے پر کھڑے رہتے تھے تاوقتیکہ وہ اجازت نہ دیں نہ تو کمرہ
میں داخل ہو سکتے تھے اور نہ کرسی پر بیٹھ سکتے تھے۔ اپنا کام ختم کرنے
کے بعد برہم لہجہ میں مجھ سے کہا کہ آپ کو کچھ کہنا تھا تو مجھ سے کہنے ۔۔۔

منسٹر صاحب سے کہنے کی کیا ضرورت تھی میں آپ کے خلاف ایکشن لے سکتا ہوں؟ میں نے کہا شوق سے لیجئے۔ لیکن یہ بتائیے کیا دفتر کا آپ کا کوئی ماتحت آپ سے اپنی بات کہہ سکتا ہے؟ کہنے لگے میں اتنا برا آدمی ہوں کیا؟ میں نے کہا اکثر اسٹاف کا تاثر یہی ہے کہ آپ سب پر برہم ہوتے ہیں اور سیدھے منہ کسی سے بات نہیں کرتے۔ میں نے دوران گفتگو یہ بھی کہا تھا کہ سارا سکریٹریٹ میری ہتھیلی میں ہے آپ جس آفیسر سے کہیں میں یہیں سے بات کر سکتا ہوں (دراصل سکریٹریٹ کے تقریباً تمام تلنگانہ کے اعلیٰ عہدہ داروں سے میرے مراسم تھے اور وہ مراسم میری شاعری اور سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کی وجہ سے تھے) مسٹر چوہدری جب نارمل ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ یہ آپ کی فائیل ہے میں نے آپ کو اُسی سکشن میں دوبارہ مامور کیا ہے جہاں آپ کام کرتے تھے یعنی اکاونٹس سکشن ۔۲۔ میں میں شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کے اجلاس سے نکلا۔ کچھ مہینوں کے بعد چوہدری صاحب نظام آباد پر کلکٹر کی حیثیت سے مامور ہوئے۔

ٹاؤن ہال کے احاطہ میں انجمن ترقی اُردو کی سالانہ کانفرنس کے سلسلے میں مشاعرہ بھی تھا جناب رحمت علی سابق ایم پی اُس وقت ریاستی اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر تھے ان کی صدارت میں مشاعرہ ہونے والا تھا مسٹر چوہدری مہمانِ خصوصی تھے۔ جیسے ہی میں اپنے شاعر دوستوں کے ساتھ

ذریعہ کار ٹاؤن ہال پہونچا تو منتظمین مشاعرہ نے نہایت ہی پر تپاک طریقے پر ہمارا خیر مقدم کیا اور اپنے ساتھ شہ نشین تک لے گئے رحمت علی صاحب اور کلکٹر صاحب سے علیک سلیک کے بعد میں رحمت علی صاحب کے بازو بیٹھ گیا بائیں جانب مسٹر جوہری بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے رحمت علی صاحب سے کہا کہ نیر صاحب پنچایت راج ڈپارٹمنٹ میں ہیں۔ رحمت علی صاحب نے کہا میں جانتا ہوں نیر صاحب میرے دوست ہیں اور حیدرآباد کے نامور شاعر ہیں۔ بات یہیں ختم ہوگئی کچھ دنوں کے بعد نظام آباد میں ایک عظیم الشان کل ہند مشاعرہ منعقد ہوا۔ مسٹر جوہری نے اس مشاعرہ میں خاص طور پر مجھے مدعو کیا تھا کیونکہ وہ مشاعرہ کلکٹر صاحب کے تعاون سے منعقد کیا گیا تھا مجھے یاد ہے اس مشاعرہ میں مسٹر جوہری نے بھی ایک نظم سنائی تھی اس مشاعرہ میں خمار بارہ بنکوی، زبیر رضوی نے بھی شرکت کی تھی حیدرآباد کے شاعروں میں سعید شہیدی، کنول پرشاد کنول، صلاح الدین نیر اور رئیس اختر مدعو تھے۔

مجھے یہ بھی یاد ہے کہ آج سے ۲۵ برس پہلے جناب علی صدیقی صاحب نے بمبئی کی عالیشان ہوٹل میں، ایک کل ہند مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا جناب باگاریڈی مہمانِ خصوصی تھے مشاعرہ کی صدارت نامور میوزک ڈائرکٹر و شاعر جناب نوشاد علی نے کی تھی نامور فلمی اداکار سنیل دت

بھی مہمان خصوصی تھے حیدر آباد سے سعید شہیدی، کنول پرشاد کنول، جیرات ندیم اور صلاح الدین نیر مدعو تھے اس مشاعرہ میں فلمی دنیا سے تعلق رکھنے والی مشہور شخصیتیں بھی موجود تھیں صف اول میں نامور اداکارہ تمی بھی موجود تھیں جناب یاگاریڈی کے چاہنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے وہ مشاعروں میں ہمیشہ شیروانی پہن کر آتے ہیں سیاسی اور دیگر جلسوں میں سفاری پہنتے ہیں یاگاریڈی صاحب شروع ہی سے خاموش طبع اور کم آمیز شخصیت کے حامل ہیں بے حد ملنسار، خوش اخلاق، محبت کرنے والے انسان ہیں یاگاریڈی صاحب سے کم کم ہی ملاقات ہوتی ہے حیدر آباد میں کوئی خاص ادبی محفلیں ہوں تو ضرور شرکت کرتے ہیں بعض دفعہ اپنی تقریر میں انھوں نے یہ بھی کہا کہ میرے دوست صلاح الدین نیر اور رئیس اختر بہترین شاعر ہو گئے اور میں سیاست میں چلا گیا مجھے خوشی ہے کہ میرے یہ دونوں دوست نامور شاعر ہیں۔ یاگاریڈی صاحب عام تقاریب میں شرکت کرنے سے گریز کرتے ہیں میں نے یاگاریڈی صاحب سے ہمیشہ اردو میں تقریر سنی۔ ظہیر آباد میں ان کا واسطہ زیادہ تر اردو بولنے والوں سے رہتا ہے حیدر آباد کی گنگا جمنی تہذیب کے نمائندہ شخصیت ہیں ان کی بہت سی تحریریں خاص طور پر سیاسی تحریریں روزنامہ سیاست میں شائع ہوتی رہی ہیں جناب عابد علی خان اور محبوب حسین جگر صاحب سے ان کے

اچھے مراسم تھے ریڈی صاحب نے میرے حال ہی میں شائع شدہ گیارہویں مجموعۂ کلام نیلم زرفشاں کی رسم اجرا تقریب میں بہ حیثیت مہمانِ خصوصی شرکت کی تھی پدم بھوشن ڈاکٹر سی نارائن ریڈی نے رسم اجراء انجام دی اور ڈاکٹر سید عبدالمنان نے جلسہ کی صدارت کی تھی مشاعرہ کی صدارت ڈاکٹر علی احمد جلیلی نے کی جناب رئیس اختر ناظم اجلاس تھے اور مومن خان شوق معتمد مشاعرہ تھے رسم اجراء کی اس تقریب کے دوران باگا ریڈی صاحب نے کہا ــ " اُردو سے میرا رشتہ جب سے قائم ہے اور جس زبان نے مجھے مہذب معاشرہ میں جینے کا گر سکھایا اس کو میں ہمیشہ اپنے سینے سے لگائے رکھتا ہوں ـ" باگا ریڈی صاحب جیسے اُردو کے خدمت گذاروں کے لئے دامانِ اُردو ہمیشہ کھلا رہے گا مجھے یقین ہے کہ باگا ریڈی صاحب تاحیات ہمارے شہر کی برسوں پرانی روایات کے تحفظ و پاسداری کے لئے بھی دیانتدار رہیں گے

کنول پرشاد کنول

گنگا جمنی تہذیب کے علمبردار، اردو ہندی کے نامور شاعر

میں پورے یقین کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حیدرآباد کے غیر مسلم اردو شاعروں میں کنول پرشاد کنول کا نام بھی حیدرآباد کی اردو ادب کی تاریخ میں محفوظ رہے گا۔ تقریباً پچاس برسوں تک شعروادب کی محفلوں کو گرمانے والے شاعر کنول پرشاد کنول گذشتہ دس بارہ برسوں سے شہر کی ادبی محفلوں اور مشاعروں میں دکھائی نہیں دے رہے ہیں کیونکہ وہ عارضۂ فالج کے شکار ہو چکے ہیں دانت اور ہونٹ متاثر ہیں جس کی وجہ سے انہیں بات کرنے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے اور ان کے الفاظ سمجھ میں نہیں آتے شعر سنانا ان کے لئے تکلیف دہ بن گیا ہے حیدرآباد میں غیر مسلم اردو شاعر کی حیثیت سے انہوں نے اردو کی جو خدمت انجام دی ہے وہ بھلائی نہیں جا سکتی۔

کنول پرشاد کنول ہندی اردو کے نامور شاعروں میں شمار کیئے جاتے ہیں ہندی کی بہ نسبت اردو مشاعروں میں ان کے کلام کی زیادہ

پذیرائی ہوتی رہی ہے کنول پرشاد کنول پکے حیدرآبادی ہیں حیدرآباد کی تہذیب و ثقافت کی بھرپور نمائندگی کرتے رہے ہیں مشاعروں کے ایک اہم اور کامیاب شاعر کی حیثیت سے بے حد مقبول رہے ہیں بے شمار کل ہند مشاعرے پڑھ چکے ہیں لال قلعہ کے مشاعروں میں بھی انہوں نے کلام سنایا ہے۔ خدا نے بہترین شاعری کے ساتھ ساتھ پُراثر ترنم سے بھی نوازا ہے اکثر مشاعروں میں ترنم سے ہی کلام سُناتے رہے ہیں کبھی کبھی تحت میں بھی کلام سُناتے ہیں۔

کنول پرشاد کنول صاحب کے ہم عصر شاعروں میں علامہ حیرت بدایونی، مخدوم محی الدین، سکندر علی وجد، شاہد صدیقی، سعید شہیدی، اوج یعقوبی، خورشید احمد جامی، سلیمان اریب، وحید اختر، عزیز قیسی، امیر احمد خسرو، خیرات ندیم، طالب رزاقی، منوہر لعل بہار، ابن احمد تاب شاذ تمکنت وغیرہ شامل ہیں، بہ قید حیات شاعروں میں ڈاکٹر علی احمد جلیلی خواجہ شوق، پروفیسر مغنی تبسم بھی اہم ہیں ان کے بعد کے شاعروں میں صلاح الدین نیر، ناصر کرنولی، رئیس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی، نہپال سنگھ ورما کے نام بھی لیئے جا سکتے ہیں کنول صاحب آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن سے اپنا کلام پیش کرتے رہے ہیں اردو کے معیاری ادبی رسائل میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا ہے روزنامہ "سیاست" میں ان کے بیسیوں غزلیں نظمیں قطعات شائع ہو چکے ہیں ادبی ٹرسٹ اور شنکرجی میموریل سوسائٹی کے کل ہند مشاعروں میں لازماً مدعو کیئے جاتے رہے ہیں کنول صاحب کو اردو

حلقوں نے ہمیشہ پسند کیا ہے ان کی وہ شاعری جو حب الوطنی اور قومی یکجہتی سے تعلق رکھتی ہے بے حد پسند کی جاتی رہی ہے کنول صاحب نے اسسٹنٹ ڈائرکٹر محکمہ اطلاعات کی حیثیت سے بھی اردو کی بڑی خدمت کی ہے رسالہ آندھراپردیش کے مدیر تھے حیدرآباد کے شعراء کا کلام شائع کر کے خوشی محسوس کرتے۔ اپنے محکمہ سے اردو اخبارات، ادبی رسائل و جرائد کے لیئے اشتہارات دلوانے میں معاون ثابت ہوتے رہے۔ وہ اکثر سرکاری وغیر سرکاری مشاعروں کے کنوینر رہا کرتے تھے شہر کے نمائندہ شعراء کے ساتھ ساتھ باصلاحیت نوجوان شاعروں کو بھی مدعو کرتے تھے اگرچہ کنول پرشاد کنول ہندی کے بھی نمائندہ شاعر ہیں لیکن اُن کی پہچان اُردو شاعر کی حیثیت سے زیادہ ہے جس زمانے میں مسٹر بھیم سین سچر ریاست کے گورنر تھے اُس وقت کنول صاحب نے بہت سے مشاعروں کا اہتمام کرتے رہے۔ گورنر صاحب کو مشاعروں کا بہت شوق تھا کنول صاحب نے مشاعروں کے حوالے سے راج بھون کی فضاء کو شعری و ادبی و تہذیبی ماحول میں ڈھال دیا تھا ایک خوشگوار فضاء بنائی تھی۔ کنول

کنول پرشاد کنول کے اردو میں دو شعری مجموعے کنول پُشپانجلی اور لہو کے چراغ شائع ہو چکے ہیں ہندی میں بھی آگ کے پھول، آلوک پنج شائع ہوئے ہیں کرن مال کے نام سے بھی ہندی میں مضامین اور نظموں کا مجموعہ ہے شعبۂ ہندی عثمانیہ یونیورسٹی کے ایک طالب نے اُن کے فن اور شخصیت پر ایم فل کا مقالہ لکھا ہے یہاں عید اور تہوار کے موقع پر سیاست میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔

حب الوطنی کے موضوع پر ان کی بہت سی نظمیں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ اپنے ہم عصر شاعر دوستوں کے ساتھ ہمیشہ فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں کنول صاحب کی قیادت میں اضلاع میں ہونے والے کئی مشاعرے میں پڑھ چکا ہوں ۔ وہ اپنے حلقۂ اثر کے مشاعروں میں مجھے لازماً مدعو کیا کرتے تھے ۔ جب میں اپنی ابتدائی شاعری کے زمانہ میں کلام سنایا کرتا تھا تو اُس دور کے تقریباً تمام اہم شاعر مشاعروں میں موجود رہتے تھے کنول صاحب کو بانی ادارۂ ادبیات اردو ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور بہت پسند کرتے تھے ۔ ایوانِ اردو کے مشاعروں میں کنول پرشاد کنول خصوصیت کے ساتھ مدعو رہتے تھے انجمن ترقی اردو کا کوئی مشاعرہ بھی ایسا نہیں ہوتا تھا جس میں وہ مدعو نہ رہتے ہوں ۔ کنول پرشاد کنول خالص حیدرآبادی مزاج کے شاعر ہیں ان کی رواداری ہی دوستوں سے ان کا سلوک بزرگوں سے ان کے مراسم مثالی ہیں حیدرآبادی تہذیب کی اس طرح نمائندگی کرتے ہیں کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ غیر مسلم ہیں کنول صاحب مشاعروں میں ہمیشہ شیروانی زیب تن کرتے تھے گیا بڈن کی کالی شیروانی اُن پر خوب سجتی تھی ان کی خوش لباسی نے بھی ان کی شاعرانہ حیثیت کو پُر وقار بنادیا تھا ۔ ان دنوں کبھی کبھی سفاری پہن لیا کرتے ہیں لیکن اُردو کی محفلوں میں لازماً شیروانی ہی پہن کر آتے ہیں شہر کے تمام اہم اُردو دوستوں سے ان کی رسم و راہ ہے کنول صاحب شہر کی بہت سی ہندی اُردو انجمنوں سے تعلق رکھتے ہیں کئی برسوں تک ادارۂ

ادبیات اردو کے شعبۂ ہندسی کے رکن رہے مختلف کالجس کے بین الکلیاتی مقابلۂ شعر و سخن و بیت بازی کے جج رہے۔

جناب عابد علی خان اور جناب محبوب حسین جگر سے ان کے دیرینہ مراسم تھے خاص طور پر تہواروں کے موقع پر کنول صاحب کی کوئی ایک نظم "سیاست" میں لازماً شائع ہوتی تھی ہر ایسے موقع پر کنول صاحب اپنی کتادہ تخلیقات سیاست میں اشاعت کے لئے روانہ کرتے تھے اگر وہ نہیں بھیجوا سکے تو جناب محبوب حسین جگر صاحب مجھ سے فون کرواتے کنول صاحب بہ نفسِ نفیس سیاست آفس آتے اور اپنی نظم جگر صاحب کے حوالے کرتے تھے ہندی، اُردو اخبار ملاپ کے ایڈیٹر جناب یدھ ویرجی سے بھی ان کے دوستانہ مراسم تھے یدھ ویر صاحب نے کئی برسوں تک اُردو ملاپ شائع کیا۔ ادارۂ ملاپ کے زیر اہتمام کئی ادبی تقاریب منعقد کی جاتی رہیں۔ خصوصی مشاعرے ہوتے رہے۔ مجھے یاد ہے کہ ۳۵ برس پہلے ملاپ آفس کے احاطہ میں ایک یادگار مشاعرہ منعقد ہوا تھا جس میں فراق گورکھپوری، علامہ حیرت بدایونی، مخدوم محی الدین شاہد صدیقی، سلیمان اریب، ادج یعقوبی، خیرات ندیم، شاذ تمکنت ابن احمد تاب کے علاوہ صلاح الدین نیر، ناصر کرنولی اور رئیس اختر نے بھی کلام سنایا تھا اس مشاعرہ کے انعقاد کے سلسلے میں کنول صاحب نے خاصی دلچسپی لی تھی ملاپ کے سینئر ایڈیٹر جناب علاء الدین حبیب (جو اُردو ملاپ کے ادبی ایڈیشن کے انچارج تھے) کی دلچسپی کو بھی بڑا

دخل رہا تھا اس مشاعرہ میں فلمی اداکارہ نسیم بانو اور سائرہ بانو نے بھی شرکت کی تھی وہ ان دنوں کسی فلم کی شوٹنگ کے سلسلے میں حیدرآباد میں موجود تھے کنول صاحب نے کبھی بھی سیاست اخبار اور ملاپ اخبار میں تفریق نہیں کی عابد علی خان صاحب نے بدھ ویرجی کو مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا مولانا ابویوسف سابق ایم ایل سی بھی مدعو تھے شعراء میں کنول پرشاد کنول کے علاوہ واجد یعقوبی اور صلاح الدین نیر شامل تھے کرڑپہ کے مشاعرہ میں ذریعہ کار جانا طے ہوا تھا ہم دفتر ملاپ پر جمع ہوکر بدھ ویرجی کی کار میں کرڑپہ چلے گئے۔ دورانِ سفر مولانا ابویوسف اور کنول پرشاد کنول صاحب نے مختلف موضوعات پر اپنے لطیفوں سے سفر کے فاصلے کو کم کیا۔ نہایت خوشگوار انداز میں ہم کرڑپہ پہونچے بھی کوئی ۸ گھنٹے میں۔ جلسہ رحمتہ اللعالمین میں بدھ ویرجی نے سیرت رسول پاکؐ پر بہت اچھی تقریر کی اور کہا کہ میں جیل میں کلام پاک کی عظمتوں سے واقف ہوا۔ اس مشاعرہ کے بعد بدھ ویرجی سے میرے مراسم اور بھی مستحکم ہوتے چلے گئے۔

ایک دفعہ جگر صاحب (محبوب حسین جگر) بہت زیادہ موڈ میں تھے کنول پرشاد کنول کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگے کنول اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے میں بہت مقبول شاعر رہے ہیں ان کی ایک نظم مجھ سے میرا نام نہ پوچھو کافی مشہور تھی۔ کنول جس مشاعرہ میں بھی شرکت کرتے ان سے اس نظم کی فرمائش کی جاتی۔ پرسوز ترنم میں لہک لہک کر نظم

سناتے تھے۔ جگر صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ کنول پرشاد کنول بے حد شریف آدمی ہیں اور کہا کہ ابراہیم جلیس (ممتاز کالم نگار و صحافی) پولیس ایکشن کے بعد پاکستان جانا چاہ رہے تھے اُس وقت کنول پرشاد کنول نے اُن کی بڑی مدد کی تھی کنول پرشاد کی انسان دوستی کے بعض واقعات بیان کرتے رہے۔ کنول نہایت ہمدرد، مہذب انسان ہیں کنول پرشاد کنول نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اپنے شاعر دوستوں کے لئے وقف کیا تھا دھول پیٹ جیسے مقام پر کئی برسوں تک گنیش تقاریب کے سلسلے میں اردو ہندی کے مشاعرے ہوا کرتے تھے کنول پرشاد کنول نے برسوں کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے زیر اہتمام منعقدہ کل ہند نعتیہ مشاعروں میں اپنا عقیدت میں ڈوبا ہوا نعتیہ کلام سنایا ہے پُرسوز ترنم سے کلام سنا کر ایک سماں باندھ دیتے تھے کنٹرپہ کے ایک اور نعتیہ مشاعرے میں کنول صاحب کے ساتھ میں بھی مدعو تھا۔ اس مشاعرہ میں کنول پرشاد کنول نے تمام شعراء سے زیادہ داد و تحسین حاصل کی تھی کنول پرشاد کنول مشاعروں میں غزل سنانے سے پہلے دو تین قطعات لازماً سناتے تھے۔

کوڑنگل میں ۲۵، ۳۰ برس پہلے جشن پنڈت دامودر ذکی بڑے اہتمام سے منایا گیا تھا جناب خلیل الرحمٰن سابق ایم پی اُس وقت انجمن ترقی اردو کوڑنگل کے جنرل سکریٹری تھے جنھوں نے اس جشن کو کامیاب بنانے کے لئے شب و روز محنت کی تھی نامور شاعر محب کوثر

نے بھی جناب خلیل الرحمن کے معاون کی حیثیت سے بہت زیادہ کام کیا تھا اس مشاعرہ میں کنول پرشاد کنول کی قیادت میں حیدرآباد سے اردو، ہندی کے ۲۵، ۳۰ نمائندہ شاعروں نے شرکت کی تھی اردو کے نامور شاعروں سے چاہے وہ ہندوستان کے ہوں کہ پاکستان کے، اُن کے مراسم تھے کنول صاحب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اردو والے انہیں اردو کا شاعر سمجھتے ہیں اور ہندی والے ہندی کا شاعر دونوں زبانوں کی انہوں نے خدمت کی ہے نامور شاعر شاذ تمکنت سے رسالہ آندھراپردیش کے لئے اردو کتابوں پر تبصرہ لکھواتے تھے جس سے شاذ تمکنت کی کچھ مالی امداد ہو جایا کرتی تھی اُن کا کلام بھی رسالہ میں شائع کرتے تھے کنول صاحب چونکہ ایک خوش مزاج انسان ہیں اس لئے اپنے خاص دوستوں میں بے حد تکلف رہا کرتے ہیں جو بھی شاعر یا ادیب اُن سے ملاقات کے لئے اُن کے آفس آتا تو اس کی چائے سے تواضع کرتے اور اگر لنچ کا وقت ہو تو لنچ کا بھی اہتمام کرتے اُس نشست میں اپنا کلام سناتے۔ وہ اپنے بہترین دوستوں کو تازہ کلام سنانے کے آرزومند رہتے تھے۔

راجکماری اندرا دھن راج گیرجی سے بھی اُن کے دوستانہ مراسم ہیں ان کی رہائش گاہ گیان باغ آغا پورہ میں خاص خاص ادبی محفلوں میں شریک رہا کرتے تھے کنول صاحب کی اہلیہ شریمتی شیل بالا ہندی کی مشہور شاعرہ تھیں بیگم بازار میں ایک کرایے کے مکان میں رہتی تھیں

اضلاع کے بعض شاعروں کے سلسلے میں ہم اردو، ہندی کے شاعر ان کے ہاں جمع ہوتے اور کنول صاحب کی ہمراہی میں مشاعرہ کے لئے سفر جاری رکھتے۔ کنول پرشاد کنول صاحب ایک بھرپور شخصیت کے مالک ہیں مشاعروں میں ان کی شدت سے محسوس کی جا رہی ہے ان کی بڑی خواہش تھی کہ جگر صاحب کو اپنے فلیٹ (مواقع عابڈس) پر مدعو کریں ایک شام ایک خصوصی تقریب میں انہیں مدعو کیا۔ جگر صاحب نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ مقررہ وقت پر ہم پہونچے۔ کنول صاحب نے جگر صاحب کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اس محفل کے مہمان خصوصی کی حیثیت سے اعلان کیا۔ اس محفل میں ہندی کے شعراء موجود تھے اردو شاعروں میں صرف میں ہی تھا جگر صاحب نے اپنی تقریر میں کنول پرشاد کنول کی اردو خدمات پر بھرپور روشنی ڈالی اور اس انداز سے کنول پرشاد کنول کو خراج پیش کیا کہ ان کی پلکیں بھیگ گئیں کنول پرشاد کو نہ جانے کیا کیا یاد آ گیا۔ شاید انہیں اپنی جوانی کے دن اور اپنی ابتدائی شاعری اور ادبی جلسوں میں ان کی پذیرائی کے دن یاد آ گئے ہوں۔ کنول پرشاد کنول حیدرآباد کی قدیم تہذیب و ماحول کے ذکر پر آب دیدہ ہو جاتے ہیں اردو کی ترقی میں کنول پرشاد کنول کو تعزیتاً بھول چکی ہے وہ لوگ بھی بھلا چکے ہیں جو برسوں ان کے قریب رہے، قریبی دوست لیے ہیں گذشتہ سال اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش نے کارنامۂ حیات کی تقریب میں انہیں اعزاز

سے نوازا۔ جس وقت صدر نشین اردو اکیڈمی جناب سید شاہ نور الحق قادری کارنامۂ حیات سے تعلق رکھنے والے شاعروں، ادیبوں کی فہرست کو قطعیت دے رہے تھے اُس وقت میرے علم میں یہ بات آئی کہ اس فہرست میں کنول پرشاد کنول کا نام شامل نہیں ہے تو میں نے فوراً صدر نشین کو فون کرکے ایوارڈ کے لئے اس اہم نام کی شمولیت کی طرف توجہ مبذول کروائی۔ صدر نشین صاحب نے مجھ سے پوچھا۔ "کیا کنول پرشاد کنول زندہ ہیں؟ میں نے کہا زندہ ہیں البتہ وہ اپنی ناسازیٔ مزاج کی وجہ سے مشاعروں میں شرکت نہیں کر رہے ہیں

ہمیں ایسا ماحول بنانا چاہیے کہ ہم خاص طور پر اس طرح کے قلمکاروں کو یاد رکھ سکیں جنھوں نے زبان و ادب کی غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔ کنول پرشاد کنول کا تخلیقی سفر آج بھی جاری ہے ◢

پروفیسر مغنی تبسم

(فکر و آگہی کے روشن چراغ)

عصر حاضر میں ہمارے شہر کے جن باکمال دانشوران فکروفن نے علم و آگہی
کے چراغ روشن کیئے ہیں اُن میں ایک اہم نام پروفیسر مغنی تبسم صاحب کا بھی
ہے جن کے فہم و ادراک کی روشنی دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے ہر قلمکار
کے فکرو خیال کی روشنی اُس کی اپنی ہوتی ہے جو دوسرے قلمکاروں کی
روشنی سے قدرے مختلف ہوتی ہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ علم و فن کے
کچھ مخصوص راستوں پر بہت سے شاعرو ادیب ایک ساتھ چلتے ہیں
لیکن اُن کے قدموں کی آہٹ ایک دوسرے کی ہم رکاب نہیں ہو سکتی
قدم سے قدم ملا کر چلنے کے باوجود بھی راستوں کے پیچ و خم کی پہچان ہر
ایک راہ رو کے شعور سفر کی غماز ہوتی ہے مسلسل چلنے والے مسافروں کی
بہت سی راہوں سے شناسائی رہتی ہے لیکن وہ ایسا ہی راستہ اختیار
کرتے ہیں جو ان کا اپنا ہوتا ہے اور جہاں سے گذرنے کے لئے ان کا جی چاہتا
ہے پروفیسر مغنی تبسم شعروادب کی راہوں کے تجربہ کار راہی ہی نہیں

میر کارواں ہیں جن کی زندگی صراطِ مستقیم کی پہچان کے باوجود اپنی راہوں سے بھی گذر رہی ہے جو تجربات کی بھٹی میں تپتی رہتی ہے مغنی صاحب کی زندگی میں کبھی ٹھہراؤ نہیں آیا۔ فکرو دانش کے کئی چراغ ان کے خانۂ دل میں روشن ہیں۔ ان کے شعور کی رَو نے ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کو اور ممتاز بنا دیا ہے۔ پروفیسر صاحب ہمارے شہر کے ہی نہیں ملک کے ہی نہیں بلکہ ساری اُردو دنیا کے دانشور سمجھے جاتے ہیں مغنی صاحب نے شعر و ادب کی راہوں میں کبھی تنہا سفر نہیں کیا۔ کئی راہ رؤں کو اپنا ہمسفر بنایا ہے اس کے باوجود بہت کم راہ رو ایسے ہیں جو ان کے ساتھ چلنے کی طاقت و صلاحیت رکھتے ہیں ویسے بھی خدائے برتر ہر شخص کو یکساں صلاحیتوں سے نہیں نوازتا۔ خدا کا فضل ایک سائبان کی طرح مغنی صاحب کی حفاظت کر رہا ہے وہ ایک ایسا سایہ دار درخت بن چکے ہیں جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں نہ صرف تازہ دم مسافر ہی دم لیتے ہیں بلکہ تھکے ماندے مسافر بھی سستانے لگتے ہیں پروفیسر صاحب ایک فرد کی ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایک انجمن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شعر و ادب کی دنیا میں بہت سے انقلابات آتے رہے ہیں لیکن مغنی صاحب کی صحت پر ان کا کچھ اثر نہیں پڑا بلکہ وہ اپنے مسلک اور اپنی فکر کی روشنی پھیلاتے جا رہے ہیں شعر و ادب سے مغنی صاحب کا رشتہ بنیادی طور پر کلاسیکی اقدار سے جڑا ہوا ہے وہ ترقی پسند خیالات کے بھی حامی ہیں اور جدیدیوں کے ہم نوا

بھی ہیں لیکن ان کی فکر کی عظمت اس بات سے عیاں ہے کہ وہ بنیادی اقدار سے منحرف نہیں ہیں۔ اپنی طبیعت کے تنوع اور جدتِ طبع کی وجہ سے شعروادب کی نت نئی سرگرمیوں سے وابستہ رہا کرتے ہیں۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ مغنی صاحب کی علمی و ادبی قابلیت سے ہر مکتبِ خیال سے تعلق رکھنے والے لوگ استفادہ کرنا چاہتے ہیں (استفادہ کررہے ہیں) جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ مغنی تبسم صاحب کا وجود ایک سایہ دار درخت کی طرح ہے جس کی چھاؤں میں ہر طرح کے مسافر راحت محسوس کرتے ہیں۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں مغنی صاحب کا شاگرد ہی شاگردِ رشید رہا ہوں۔ میں نے اپنے شفیق استاد سے بہت کچھ سیکھا ہے ان کی شفقتوں کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ ۱۹۵۹ء سے پہلے میں نے انھیں کہاں اور کس محفل میں دیکھا تھا یقیناً دیکھا ہوگا لیکن ان کی شخصیت شاید اُس وقت مجھے متاثر نہ کرسکی ہو۔ یقیناً وہ اپنی ابتدائی زندگی میں متحرک رہے ہوں گے ورنہ آج وہ جس اعلیٰ مقام پر فائز ہیں نہیں رہتے۔ اپنے ابتدائی تخلیقی سفر میں جو شاعر و ادیب اپنی فکر و نظر کے اُجالے ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اس کے تیور ہی کچھ اور ہوتے ہیں مغنی صاحب کو میں نے پوری پہچان کے ساتھ ۱۹۵۹ء میں محسوس کیا تھا۔ میں اُن دنوں اردو کالج میں بی اے اول کا طالب علم تھا۔ مغنی صاحب اُردو کالج کے اُن نامور اساتذہ میں شامل تھے جن کی قدر و قیمت کی آج ساری اُردو دنیا معترف ہے اُردو کالج کے

محترم اساتذۂ کرام میں پروفیسر ابوظفر عبدالواحد، ڈاکٹر حسینی شاہد، ڈاکٹر زینت ساجدہ اور ڈاکٹر مغنی تبسم قابلِ ذکر ہیں۔ اُردو کالج کے قیام کے ابتدائی زمانہ میں یہ تمام اساتذہ اعزازی خدمات انجام دیا کرتے تھے مغنی صاحب بھی دوسرے اُستادوں کی طرح طلباء و طالبات کے دل میں گھر کر چکے تھے مجھے بے حد عزیز رکھتے تھے۔ مجھے اُن کے رکھ رکھاؤ اور ان کا طریقۂ درس و تدریس بہت پسند تھا خاص طور پر ان کی طبیعت کی نفاست اور اُن کے پُر وقار لب و لہجہ نے بہت متاثر کیا تھا مغنی صاحب کا مشورہ بھی اُردو کالج کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں کو بلندیوں پر پہنچا رہا تھا اُس زمانے میں پروفیسر مغنی تبسم رسالہ شعر و حکمت شائع کرتے تھے مغنی صاحب کی خواہش پر رسالہ کی اشاعت کے سلسلے میں میں ان کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ مغنی صاحب بین کلیاتی اُردو فیسٹول (۱۹۵۹ء) کے شعبۂ موسیقی کے منتظر تھے میں اپنے کالج کی بزمِ اُردو کا بلا مقابلہ صدر منتخب ہوا تھا۔ شاعر شاہد صدیقی نے مشاعرہ کی صدارت کی تھی میں بلا مقابلہ مشاعرہ معتمد منتخب کیا گیا تھا۔ پروفیسر صاحب نے ازراہ شاگرد نوازی مجھے اپنی ایک ادبی انجمن ادارۂ شعر و حکمت کا معتمد بنایا تھا زائد از ۲۰ برس تک میں ادارۂ شعر و حکمت کا معتمد رہا۔ میں اسی زمانے میں (۱۹۵۹ء) سیاست اخبار سے وابستہ ہو گیا تھا ابتدائی دنوں میں محفلِ شعر کی ترتیب و تزئین میرے ذمے تھی۔ محترم محبوب حسین جگر صاحب سیاست کے ادبی ایڈیشن کے سلسلے میں بھی مجھ سے بہت سے ادبی کام لیا کرتے تھے

اُردو کے قدیم شعراء محمد قلی قطب شاہ سے لے کر اُس وقت کے جواں سال، شاعر رئیس اختر تک میرے تعارفی مضامین معہ نمونۂ کلام سیاست میں شائع ہوئے۔ یہ کالم سیاست میں ہر چہارشنبہ کو شائع ہوتا تھا میں نے ۱۴۲ شاعروں کے تعارفی مضامین لکھے تھے جو چھپ چکے ہیں۔ شعراء کے تعارفی سلسلے میں میں نے بہت سے شعراء کی کتابوں کے سلسلے میں مغنی صاحب سے تعاون حاصل کیا تھا ڈاکٹر صاحب ہمیشہ خوش دلی کے ساتھ مجھ سے تعاون کیا کرتے تھے شعراء کے مضامین کی اشاعت کے سلسلے کے بعد سیاست میں اصنافِ سخن کا سلسلہ شروع کیا گیا اس سلسلے میں بھی مغنی صاحب نے نہ صرف میرے لئے کتابیں فراہم کیں بلکہ ضروری رہبری کی مجھے مناسب و مفید مشوروں سے نوازتے رہتے۔ دوسرے شاگردوں کے مقابلے میں میرے ادبی کاموں میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لیتے تھے مغنی صاحب نہایت مشفق و محترم استاد رہے ہیں بے شمار شاگردوں نے ان کی رہنمائی میں اپنا تعلیمی و تہذیبی سفر جاری رکھا۔ ان شاگردوں میں بعض شاگرد مختلف جامعات میں اہم اہم عہدوں پر فائز رہے ہیں (فائز ہیں) شعر و ادب کی دنیا سے وابستہ اصحاب نے بھی مغنی صاحب سے فیض حاصل کیا ہے اور بعض اصحاب کے حق میں فیض رسانی کا سلسلہ آج بھی جاری ہے مغنی صاحب نے میرے بعض شعری مجموعوں کے دیباچے بھی لکھے ہیں ایک شاگرد کی حیثیت سے میں نے پروفیسر صاحب کا بہت احترام کیا ہے (آج بھی احترام کرتا ہوں) پروفیسر صاحب جب تک شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ سے وابستہ رہے اُس وقت بھی انہوں

نے اپنے علمی و ادبی کارناموں سے سارے ملک کے دانشوروں کو متاثر کیا
بڑے بڑے سیمناروں میں حصہ لیتے رہے۔ تحقیق، تخلیق، تنقید غرض کہ
ہر شعبۂ ادب میں اپنا مقام بنالیا ہے اپنے تبحر علمی کی وجہ سے شعر و ادب کے مختلف
موضوعات کے ساتھ انصاف کیا ہے شعبۂ اُردو کی جانب سے ہر سال کم از کم
ایک نمائندہ مشاعرہ کا اہتمام کیا جاتا تھا حیدرآباد کے نمائندہ شاعر مدعو
رہتے تھے میں شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ کے کئی مشاعروں میں مدعو رہا ہوں
پروفیسر صاحب برسوں سے شعر و ادب کی روشنی پھیلا رہے ہیں زبان و
ادب کی خدمت کا جذبہ ان کی شخصیت میں پیوست ہوچکا ہے مغنی صاحب
جیسے بہت کم اساتذہ ہوں گے جنھوں نے ساری زندگی زبان و ادب کے
لئے وقف کی ہو۔ آج حیدرآباد کے اہم دانشوروں میں شمار
کیئے جاتے ہیں ساری اُردو دنیا ان کے علم و فن کی قدرداں ہے طالب علمی
کے زمانے ہی سے شہر کی علمی و ادبی سرگرمیوں سے وابستہ رہے ہیں مغنی صاحب
اس وقت انجمن ترقی پسند مصنفین کے صدر ہیں پروفیسر صاحب نے ادارۂ
شعر و حکمت کی جانب سے کئی محفلیں آراستہ کیں۔ ماہنامہ صبا کے نامور
مدیر سلیمان اریب، مغنی صاحب کے بہت ہی قریبی دوست تھے شہر کے
اہم اور با مقصد ادبی جلسوں کو مخاطب کیا کرتے ہیں ان کی اُردو
دوستی کا سفر آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔

جب سے وہ ادارۂ ادبیاتِ اُردو کے معتمد مقرر ہوئے ہیں ادارہ
ادبیاتِ اُردو کی بہتری میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے سارا انتظامیہ متحرک

ہو گیا ہے ادارہ کے ہر شعبہ کو با مقصد بنا چکے ہیں پروفیسر صاحب کے جلاس پر شاعروں، ادیبوں، اساتذہ و اسکالرز بھی دکھائی دیتے ہیں ادارہ کے زیر اہتمام مختلف اوقات میں ادبی جلسوں کا انعقاد عمل میں لایا جاتا ہے ادبی و تہذیبی تقاریب اور محمد قلی قطب شاہ کی سالانہ ادبی تقاریب بڑے ہی اہتمام سے منائی جاتی ہیں۔ مغنی صاحب نے ادارۂ ادبیات اردو کی سرگرمیوں میں نمایاں تبدیلی لائی ہے ادارہ کے کام کو بہت آگے بڑھایا ہے ادبی ٹرسٹ کے بھی ٹرسٹی ہیں۔ جناب عابد علی خان اور جناب محبوب حسین جگر بھی مغنی صاحب کی بے حد قدر کرتے تھے ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کے معترف تھے چنانچہ ان سے سیاست اور ادبی ٹرسٹ سے متعلق علمی و ادبی مصروفیات میں تعاون حاصل کیا کرتے تھے عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کی خواہش پر ادبی ٹرسٹ سے وابستہ ہو گئے۔ ادبی ٹرسٹ کی ایک میٹنگ سے کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ عابد علی خان اور جگر صاحب کے ساتھ میں بھی عابد علی خان صاحب کے اجلاس پر موجود تھا ان دنوں ادبی ٹرسٹ کے رکن (ٹرسٹی) کی جگہ خالی تھی نئے ٹرسٹی کے لئے شہر کی بعض اور شخصیتوں کے نام زیر غور تھے لیکن ایک مرحلہ پر جگر صاحب نے فرمایا۔ مغنی صاحب ہمارے بھروسے کے آدمی ہیں، ہمارے آدمی ہیں ادبی ٹرسٹ کے ٹرسٹی کے لئے موزوں ہیں) اس تجویز کے دوران میں نے مغنی صاحب کے ٹرسٹی بنائے جانے کی بھرپور وکالت کی تھی۔ اجلاس میں مغنی صاحب کو ٹرسٹی مقرر کیا گیا۔ تمام ارکانِ ٹرسٹ نے ٹرسٹ کے اجلاس میں بلا تامل مغنی تبسم صاحب

بکے نام کی منظوری دی۔ جب ادارۂ ادبیاتِ اُردو کا مسئلہ پیش نظر رہا تو عابد علی خان
اور جناب جگر صاحب کی خواہش پر مغنی صاحب کو معتمد ادارہ ادبیاتِ اُردو کے
ذمہ دارانہ عہدہ کے لئے فائز کیا گیا تھا جہاں وہ معتمدِ اعزازی کی حیثیت سے ذمہ
ذمہ داری نبھاتے رہے ہیں صدرِ ادارہ محمد علی عباسی صاحب کے زمانے میں مغنی صاحب کو معتمد بنایا گیا ان کے بعد
جناب سید ہاشم علی اختر سابق وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
ادارۂ ادبیاتِ اُردو کے صدر مقرر ہو۔ جناب سید ہاشم علی اختر نے اپنا امریکہ منتقل
ہونے سے پہلے پروفیسر جعفر نظام سابق وائس چانسلر کاکتیہ یونیورسٹی ورنگل
کو اپنا جانشین بنایا۔ اس وقت پروفیسر جعفر نظام ادارۂ ادبیاتِ اُردو کے صدر ہیں
مغنی صاحب کئی برسوں تک محل نور خان بازار میں مقیم رہے۔ اُردو کالج کے
طالب علمی کے زمانے میں، میں اکثر ان کے دولت خانہ پر جایا کرتا تھا دستک کی آواز
سنتے ہی پروفیسر صاحب تشریف لاتے اور بیٹھنے کے لئے کہتے اور چائے کے لئے
ملازمہ کو آواز دیتے، ۵ منٹ کے اندر چائے آجاتی۔ مغنی صاحب اپنے تقریباً
تمام ملنے والوں کی چائے سے تواضع کیا کرتے تھے وہ دور انتہائی خوشگوار دور
تھا پھولوں میں تُلنے والا دور تھا نت نئی خوشبوؤں سے دل و جان کو
معطر کرنے والا دور تھا۔ اُردو کالج کی طالب علمی کے زمانے میں میں نے بہت سے
بین الکلیاتی ادبی مقابلے اُردو کالج میں منعقد کیے تھے۔ جلسوں کے انعقاد کے
سلسلے میں جب بھی ضرورت محسوس ہوتی مغنی صاحب سے مشورہ حاصل کر لیا کرتا
تھا۔ ڈاکٹر حسینی شاہد صاحب سے بھی لازماً مشاورت کی جاتی۔ آج کی طرح اُس
دور میں بھی مغنی تبسم صاحب کی شخصیت بے حد پُرکشش تھی۔ اُن کا ٹھہر ٹھہر کر

گفتگو کرنا، ہر ادبی مسئلہ پر سنجیدگی کے ساتھ لب کشائی کرنا، سلگتے ہوئے ادبی مسائل کے لئے رہبری کرنا۔ طلباء میں شعر و ادب کا ذوق پیدا کرنا اور اس طرح کے بے شمار سرگرمیوں کے لئے وہ مرکزیت کی حیثیت رکھتے تھے مغنی صاحب کے دوستوں کی ایک لمبی فہرست ہے ہر دوست ان کی دوستی اور ان کی علمی فضیلت کا گرویدہ ہے ہمارے شہر میں بعض ایسے بھی اساتذہ ہیں جن کا شاگرد کہلوانا ایک اعزاز کی بات ہے اور بعض ایسے اساتذہ بھی ہیں جو کبھی اپنے شاگردوں کو متاثر نہ کر سکے اور ایسے شاگرد جو استاد کے منظور نظر ہوتے ہیں ان کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے مغنی صاحب کے شاگردوں میں میرے سوا ڈاکٹر اکبر علی بیگ اور ڈاکٹر انور الدین کے نام بھی خصوصیت کے حامل ہیں ویسے بے شمار شاگرد رہے ہیں ہر شاگرد کی ہر استاد کے پاس الگ الگ پہچان ہوتی ہے۔ ہر استاد اپنے اچھے شاگردوں کی صلاحیتوں کو سراہتے بھی رہتے ہیں

مغنی صاحب کی بیگم ناز صدیقی اپنے حقیقی بھائی کی طرح میری عزت کرتی تھیں مجھ سے بعض نجی معاملات میں مشورہ بھی کرتی تھیں انہیں مغنی صاحب سے والہانہ عشق تھا دیوانہ وار چاہتی تھیں انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ بات گوارا نہیں تھی کہ مغنی صاحب اپنے دوستوں کے ساتھ زیادہ وقت گزاریں ایک دفعہ ناز صدیقی نے آنکھوں میں آنسو لا کر مجھ سے کہا تھا مجھے مغنی صاحب کی بہت فکر رہتی ہے آپ مغنی صاحب کا خیال رکھیئے ان سے کسی مناسب موقع پر میری بے چینی اور میرے انتظار کے کرب کے بارے میں بات کیجئے۔ وہ آپ کی بات مان جائیں گے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ ان کے بہترین شاگرد ہیں

میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ میں اُن کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہوں اور وہ اپنے دوستوں کے ساتھ رہتے ہیں مجھے بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ ایک مناسب موقع پر یہ بات میں نے پروفیسر صاحب سے کہی تھی انھوں نے جواباً فرمایا تھا۔ بعض تعلیمی و ادبی مصروفیات کی وجہ سے میں کبھی کبھی دیر سے گھر پہونچتا ہوں۔

ناز صدیقی ویمنس کالج (جامعہ عثمانیہ) میں اردو کی پارٹ ٹائم لیکچرر تھیں میری منہ بولی بہن ڈاکٹر صابرہ سعید بھی اُن کے ساتھ پارٹ ٹائم اردو لیکچرر تھیں ناز صدیقی کی تین کتابیں اندازِ بیان، ساحر لدھیانوی شخص و شاعر شبلی نقادوں کی نظر میں" کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ عین عالم جوانی میں ان کا انتقال ہوا۔ ناز صدیقی کی جواں مرگی سے مغنی صاحب پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ان کی شخصیت دہل کر رہ گئی۔ ناز صدیقی کے انتقال کی خبر سن کر اُس وقت کے تمام علمی و ادبی حلقے ماتم کدے بن گئے تھے۔

یہی کوئی ۲۵ برس پہلے کی بات ہے کہ اگریکلچرل یونیورسٹی حمایت ساگر میں آئی اے ایس آفیسر کی ٹریننگ کے دوران مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا تھا مشاعرہ کے داعی مسٹر کالیا بھیسوانی (ہریانہ) تھے جو ایک ٹرینی کی حیثیت سے ٹریننگ کے لئے حیدرآباد آئے ہوئے تھے شاعر تھے ان کی دلچسپی کی وجہ سے مشاعرہ منعقد ہوا تھا مجھے مشاعرہ کا کنونیر بنایا گیا تھا اس مشاعرہ میں پروفیسر مغنی تبسم اور ناز صدیقی بھی مدعو تھے شاعروں کا قافلہ تین موٹر کاروں کے ذریعہ مشاعرہ گاہ پہونچا۔ تمام شاعر پروفیسر صاحب کے دولت خانہ واقع لکڑی کا پل سے مشاعرے میں شرکت کے لئے روانہ ہوا مشاعرہ سے قبل داعیانِ مشاعرہ

نے پُر تکلف عشائیہ ترتیب دیا تھا شہر کے نمائندہ شعراء نے شرکت کی تھی تمام شعراء
میری قیادت میں مشاعرہ گاہ پہنچے۔ اس مشاعرہ کو ناز صدیقی نے نہایت پُر اثر
تحریر میں ریکارڈ کیا تھا۔ مشاعرہ کی روداد (آنکھوں دیکھا حال) اخبار سیاست
میں شائع ہوا جس میں ناز صدیقی نے خاص طور پر میری کاوشوں کو بہت
سراہا تھا۔ ناز صدیقی کے انتقال کے بعد مغنی صاحب بُری طرح بکھر چکے تھے
لیکن رفتہ رفتہ وقت و حالات نے ان کے زخموں پر مرہم رکھ دیا۔ ناز صدیقی
کے انتقال کے بعد مغنی صاحب نے اپنا سارا وقت علمی و ادبی کاموں کے لئے وقف
کیا ہے اب بھی اُن کے دل میں ناز صدیقی کی مہک باقی ہے لاکھ طوفان آئیں۔
سرد و گرم ہوائیں چلتی رہیں لیکن آج بھی ناز صدیقی کی ہی طاقت کے سہارے
مغنی صاحب کی زندگی کا سفر جاری ہے اُن کا ادبی سفر ان کی زندگی کے سفر
میں تحلیل ہو چکا ہے پروفیسر صاحب بعض انجمنوں کے سربراہ بھی ہیں شہر
کی ہر اہم ادبی محفل میں شریک ہوا کرتے ہیں (اگر فرصت میں ہوں تو)
مغنی صاحب ادارۂ میرا شہر میرے لوگ کے بعض اہم جلسوں میں
شریک رہے ہیں۔ میری تقریباً تمام کتابوں کی رسم اجراء تقریب میں شریک
رہے ہیں۔ ۲۶ / ۲۷ فبروری ۱۹۹۹ء کو نہایت اہتمام کے ساتھ نمائش
کلب میں مغنی صاحب کی ادبی خدمات کے اعتراف میں رنگا رنگ انداز سے
جلسہ اعتراف خدمات کا اہتمام کیا گیا تھا نامور طنز و مزاح کے شاعر
بانی فائن آرٹ اکیڈیمی و زندہ دلان حیدرآباد جناب حمایت اللہ
اور ممتاز ادیب پروفیسر اکبر علی بیگ اس تقریب کے کنوینر تھے۔ نواب

شاہ عالم خان، صدر نشین انوار العلوم ایجوکیشنل سوسائٹی صدر استقبالیہ تھے۔ اس تقریب میں پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی، ڈاکٹر خلیق انجم اور مجتبیٰ حسین نے بھی شرکت کی تھی اعتراف خدمات کے سلسلے میں شائع شدہ نذر مغنی تبسم اور ششماہی ادبی رسالہ شعر و حکمت کی رسم اجراء ب ۳۰ جولائی ...۲ء کو مدینہ کالج میں منعقد ہوئی۔ اس تقریب کے کنوینر جناب حمایت اللہ تھے۔ اس تقریب کو نامور شعراء شہریار، زبیر رضوی نے بھی مخاطب کیا تھا صدارت جامعہ ملیہ کے وائس چانسلر نے کی۔ پروفیسر صاحب ادارۂ ادبیات اردو کے ترجمان ماہنامہ ''سب رس'' کے مدیر ہیں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کے قائم کردہ ادارۂ ادبیات اردو کی روایت کو باقی رکھتے ہوئے بہت سی تبدیلیاں لائی گئی ہیں رسالے میں معیاری مضامین شائع ہوتے ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ کی سالانہ تقاریب کے سلسلے میں نمائندہ مشاعرہ بھی ہوتا رہے ہیں ادارۂ ادبیات اردو کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے کئی خصوصی مشاعروں کا معتمد رہ چکا ہوں۔ اس سال ڈاکٹر صاحب نے محمد قلی قطب شاہ تقاریب کے سلسلے میں راج بھون میں مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا اس مشاعرہ کے داعی و میزبان گورنر صاحب آندھرا پردیش تھے یہ مشاعرہ ادارۂ ادبیات اردو کے تعاون سے منعقد کیا گیا تھا جس میں شہر کے منتخب شعراء ڈاکٹر علی احمد جلیلی، حمایت اللہ، صلاح الدین نیّر، رئیس اختر، طالب خوندمیری، مضطر مجاز، علی الدین نوید، پروفیسر سلیمان اطہر جاوید، مصطفیٰ علی بیگ، مومن خان شوق، علی ظہیر، حسن فرخ، ذکی بلگرامی اور ستار صدیقی نے کلام

سنایا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کچھ عرصے سے "سیاست" کے ادبی ایڈیشن میں میری بیاض سے اور تحسین شعر کے زیرِ عنوان اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں ڈاکٹر صاحب ایک دفعہ ادبی ٹرسٹ کے مشاعرہ کے کنوینر بھی رہ چکے ہیں ان کی نثری و شعری کتابوں کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے نثری کتابیں فانی حیات، شخصیت اور شاعری ۔ فانی کی نادر تحریریں، بازیافت اور زادِ راہ۔ لفظوں کے آگے اور شعری مجموعے یہ ہیں ۔ نوائے تلخ پہلی کرن کا بوجھ ۔ مٹی مٹی میرا دل ہے، ڈاکٹر مغنی تبسم کی ادبی زندگی تمام اردو والوں کے لئے روشنی کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جس کا فیض آبِ رواں کی طرح جاری ہے ۔

زاہد علی خان

(پُرسکون، باصلاحیت، ذہین و فطین صحافی)

پُرسکون، باصلاحیت، باحوصلہ، ذہین و فطین صحافی جناب زاہد علی خان نے اخبارِ سیاست کو آج جن بلندیوں سے ہم کنار کیا ہے۔ اس کی مثال عصرِ حاضر کی اردو صحافت میں شاید ہی مل سکے۔ جناب زاہد علی خان مدیرِ سیاست نے اپنے والدِ محترم جناب عابد علی خان اور چچا جناب محبوب حسین جگر کی وراثت کو ایک مقدس امانت کی طرح جس انداز سے نیز گام کیا ہے اُن کی شب و روز کی محنت اور اُن کی اعلیٰ صلاحیتوں کی مظہر ہے۔ آج ہندوستان کے اردو اخبارات میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے سیاست کا مقابلہ شاید ہی کوئی اور اردو اخبار کر سکے۔ زاہد علی خان صاحب نے اپنی اعلیٰ روایت پہ

"قائم رہتے ہوئے حالات حاضرہ کے تقاضوں کے پیش نظر بہتر سے بہتر انداز میں سیاست کو اور بھی اونچا کیا ہے۔ ادبی زبان کی آمیزش نے سیاست کی صحافتی زبان کو رنگ و آہنگ عطا کیا ہے۔ صحافتی دیانت داری، اصول پسندی اور ضابطۂ اخلاق کی ترجمانی کرنے والا یہ اخبار صداقت پر مبنی معلومات آفریں خبروں، اعلیٰ درجہ کے سیاسی و ادبی مضامین اور معیاری شعری ادب کے لئے گراں قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ یہ ایک ایسا اخبار ہے جس کے تمام گوشے تمام اردو لکھنے پڑھنے اور اردو بولنے والوں کے ذہن و فکر کو روشن کر رہے ہیں یہ ایک ایسا اخبار ہے جو عالمی مقبولیت کا حامل ہے جو بیرونی ممالک میں مقیم اردو داں طبقے کے ذوق کی تسکین کا بھی باعث بنا ہوا ہے۔

جناب زاہد علی خان نے ادارۂ سیاست کے زیر اہتمام بہت سے علمی و ادبی، فلاحی و قومی، ملی و تہذیبی سرگرمیوں کا آغاز کیا ہے خاص طور پر تعلیمی، فلاحی، دینی و تہذیبی امور میں سیاست کی خدمات ناقابل فراموش ہیں عابد علی خان ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیر اہتمام اردو تعلیم (اردو دانی، زبان دانی اور انشاء) کو فروغ دینے کے سلسلے میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے جارہے ہیں وہ غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ آئے دن کسی نہ کسی افادی اسکیم کو تقویت پہنچانے کے لئے سرگرمیاں جاری ہیں۔ عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر صاحب

کے انتقال کے بعد اخبار کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ زاہد علی خان صاحب نے سیاست کی اعلیٰ روایت کی پاسداری کرتے ہوئے اخبار کو مزید بلند سطح پر پہونچایا ہے سیاست کی جانب سے گذشتہ برسوں سے سیاست پندرہ روزہ انٹرنیشنل شائع ہورہا ہے پھر سیاست بنگلور ایڈیشن نے بھی سیاست کی مقبولیت میں اضافہ کیا ہے یہ صرف اور صرف زاہد علی خان صاحب کی ذہانت، اُن کے حوصلے اور اُن کی دانشوری کا ہی نتیجہ ہے کہ سیاست کا ہر شعبہ نہایت عمدگی اور ذمہ داری کے ساتھ اپنا کام انجام دے رہا ہے۔ زاہد صاحب کے چھوٹے بھائی ظہیر الدین علی خان صاحب مینیجنگ ٹرسٹی کی مساعی جمیلہ اور اُن کی ذمہ دارانہ طرز صحافت زاہد علی خان صاحب کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے پھر اُن کے جوان سال فرزند عامر علی خان صاحب نیوز ایڈیٹر سیاست کا روشن دماغ، اُن کی کام سے دلچسپی سیاست کی ترقی و بہتری کیلئے کارفرما ہے۔ آفس کا دیانتدار اسٹاف بھی نہایت فرض شناسی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو نبھا رہا ہے۔

خوشگوار ماحول میں سبھی لگن سے کام کرنے والے لوگ سیاست کی مقبولیت میں معاون ثابت ہورہے ہیں۔ ساری اُردو دُنیا میں سیاست کا نام روزِ روشن کی طرح سرفاری کے گوشۂ دل میں جلوہ گر ہے۔ زاہد علی خان صاحب بہ ذات خود ایک بلند مرتبت

اڈمنسٹریٹر ہیں۔ باصلاحیت مدبر اور بہترین انسان ہیں اسٹاف کے ساتھ اُن کا سلوک دوستانہ، برادرانہ اور مخلصانہ ہے ہر مسئلہ کو نہایت خوش اسلوبی سے سلجھاتے ہیں خود اعتمادی ان کی طبیعت کا خاصہ ہے حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر ہے ایک باخبر صحافی کی طرح اپنی صحافتی ذمہ داری کو عمدگی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں وقت اور ضرورت کے تحت سیاست میں نئے کالموں کا اضافہ کیا گیا ہے سیاست ایک مکمل اخبار ہے کیا نہیں ہے سیاست اخبار میں۔ ہر طبقے اور ہر مکتبِ خیال کا پسندیدہ اخبار ہے

زاہد علی خان صاحب نظام کالج سے بی اے کرنے کے بعد ۱۹۶۴ء میں سیاست اخبار سے وابستہ ہو گئے اپنے والدِ محترم جناب عابد علی خان اور اپنے چچا جناب محبوب حسین جگر کی سرپرستی میں اپنے صحافتی سفر کا آغاز کیا۔ عابد علی خان صاحب کے انتقال کے بعد ایڈیٹر بنے۔ جناب محبوب حسین جگر جوائنٹ ایڈیٹر ہی رہے۔ لیکن اخبار کا مکمل انتظامیہ جگر صاحب کی زیرِ نگرانی کام کرتا تھا جگر صاحب کی راست سرپرستی میں زاہد علی خان صاحب کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا پورا موقع ملا۔ جگر صاحب کے انتقال کے بعد زاہد علی خان صاحب پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوئی ہے نہایت سلیقے اور حوصلے کے ساتھ اخبار کی بہتری کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے۔ زاہد علی خان صاحب کا خاص وصف اُن کا اپنا طرزِ حیات ہے

انتہائی خوشگوار ماحول میں آفس کا اسٹاف کام کیا کرتا ہے اسٹاف کی ہر معقول ضرورت بات کا خیال رکھتے ہیں سارا اسٹاف اعتبار کی فضاء میں کام کر رہا ہے "سیاست" کا کچھ ایسا ماحول ہے کہ "سیاست" کا اسٹاف اپنے آپ کو "سیاست" کا ملازم نہیں سمجھتا" یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی "سیاست" کا کام لاپرواہی کی نذر نہیں ہوتا۔ زاہد علی خان صاحب کے آنے سے پہلے ہی سیاست سے وابستہ ہو چکا تھا ان سے کبھی بھی اخبار کے سلسلے میں سابقہ نہیں پڑتا تھا بالراست عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کی نگرانی میں حسب ہدایت میں اپنا شعری کام اور دیگر ادبی امور انجام دیا کرتا تھا زاہد علی خان صاحب سے صرف علیک سلیک کی حد تک ہی میرے روابط تھے۔ عابد علی خان صاحب نے ادبی ٹرسٹ کے قیام کے بعد مجھے آفس سکریٹری کی حیثیت سے ادبی ٹرسٹ کے آفس کی ذمہ داری سونپی تھی جو بھی شاعر و ادیب عابد علی خان صاحب سے ملنے کے لئے آتے تو میرا بہت اچھے انداز میں تعارف کرواتے اور ان سے یوں کہتے تھے کہ بہت اچھے شاعر ہیں اور میرے ادبی سکریٹری ہیں۔ آج بھی میں ادبی ٹرسٹ کی ذمہ داری کو اعتماد کی فضاء میں نبھا رہا ہوں۔ جناب عابد علی خان اور جناب محبوب حسین جگر کی طرح جناب زاہد علی خان صاحب بھی مجھ پر کافی مہربان ہیں۔ انھیں اس بات کا احساس ہے کہ میں چالیس برس سے "سیاست" سے

وابستہ ہوں۔ میری وابستگی، دیانتداری اور فرض شناسی میرا مسلکِ حیات ہے سیاست اخبار سے میرا رشتہ ۱۹۵۹ء سے قائم ہے جب کہ میں اردو کالج کا طالب علم تھا سکریٹریٹ میں پنچایت راج ڈپارٹمنٹ میں اسسٹنٹ سکشن آفیسر تھا سکریٹریٹ جانے سے پہلے صبح دس بجے سیاست پہنچتا ساڑھے دس بجے تک رہتا اور شام میں ساڑھے پانچ بجے سے ساڑھے چھ بجے تک سیاست میں رہتا۔ اتوار کے سوا تمام تعطیلات میں دس بجے صبح سے چھ بجے تک موجود رہتا۔ شعر و ادب اور ادبی ٹرسٹ کے کاموں میں مصروف رہا کرتا۔ سیاست سے میری وابستگی کی ایک طویل مدت ہے طویل ادبی مصروفیات کا ایک تسلسل ہے میں نے سیاست میں گزرے ہوئے ایک ایک لمحہ کو اپنی کتاب سائبان (محبوب حسین جگر) میں محفوظ کیا ہے یہ کتاب جگر صاحب کے انتقال کے بعد میں نے لکھی ہے (جس کو اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش نے انعام سے نوازا)۔ جب کتاب کی پہلی جلد میں نے زاہد علی خان صاحب کے حوالے کی تو وہ حیرت میں پڑ گئے اور مجھ سے فرمایا۔ "آپ نے کتاب کی اشاعت کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔" میں نے کہا "یہ کام میں نے بہت خاموشی سے کیا ہے اور یہ طے کر لیا تھا کہ کتاب شائع ہونے کے بعد آپ کے علم میں آئے اور کتاب کی پہلی جلد آپ کی خدمت میں پیش کروں۔"

زاہد علی خان صاحب نہایت پابندی کے ساتھ صبح ساڑھے دس بجے آفس آتے ہیں، ایک بجے پنج کے لئے گھر چلے جاتے ہیں اور پھر چار بجے شام آفس آتے ہیں اور آٹھ بجے شب تک معروف کار رہتے ہیں۔ صبح کے وقت "سیاست" کے مین ہال میں تشریف فرما رہتے ہیں۔ ان کے اجلاس پر ان کے فرزند جناب عامر علی خان صاحب نیوز ایڈیٹر اور ان کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ منیجر بھی رہتی ہیں آفس کے اوقات میں ضرورت مند حضرات و خواتین زاہد علی خان صاحب سے ملنے کے لئے آتے ہیں، ہر ایک سے خوش اخلاقی کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں جو کام بھی اخبار سے متعلق یا زاہد صاحب سے متعلق ہو وہ فراخ دلی اور خوش مزاجی کے ساتھ انجام پاتا ہے زاہد صاحب شہر کے معزز شہریوں کے علاوہ عام شہریوں سے بھی کھلے ذہن اور کھلے دل سے ملتے ہیں۔

زاہد علی خان صاحب کئی برسوں سے ادبی ٹرسٹ کے ٹرسٹی تھے عابد علی خان صاحب کے انتقال کے بعد تمام ٹرسٹیز نے ایک خصوصی اجلاس میں انھیں مینجنگ ٹرسٹی نامزد کیا۔ اس وقت ڈاکٹر سید عبدالمنان صدرنشین ادبی ٹرسٹ ہیں ادبی ٹرسٹ کے مشاعرے ۳۱ برسوں تک کامیابی کے ساتھ ہوتے رہے۔ زاہد علی خان صاحب اپنی غیر معمولی مصروفیات کی وجہ سے مشاعروں کے تسلسل کو برقرار نہ رکھ سکے تھے لیکن

انھوں نے چار سال کے بعد ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں کا احیاء کیا۔ ۱۸ نومبر ۶۲ء کی شب عظیم الشان پیمانے پر عابد علی خان آئی ہاسپٹل کی مالی اعانت کے لئے قلی قطب شاہ اسٹیڈیم میں کل ہند مشاعرہ ہوا۔ چیف منسٹر آندھرا پردیش جناب این چندرا بابو نائیڈو نے مشاعرہ کا افتتاح کیا اور اُردو میں تقریر کی۔ کُل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے صدر جناب سلطان صلاح الدین اویسی ایم پی نے صدارت کی۔

جناب زاہد علی خان صاحب شہر کے بہت سے اہم و نمائندہ علمی و ادبی اداروں سے وابستہ ہیں، کہیں نائب صدر کی حیثیت سے تو کہیں صدر کی حیثیت سے۔ اردو گھر ٹرسٹ کے صدر ہیں اور ادارۂ ادبیات اردو کے نائب صدر۔ زاہد صاحب ایک نامور صحافی تو ہیں ہی۔ لیکن اعلیٰ درجہ کے مقرر بھی ہیں۔ انھیں اُردو شعر و ادب سے گہری وابستگی ہے۔ فنون لطیفہ سے ان کا گہرا رشتہ ہے وہ زبان و تہذیب کے تمام مسائل سے کما حقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ ملک کے تمام اہم سیاسی و غیر سیاسی ادبی و علمی شخصیتوں سے ان کے مراسم ہیں بڑی بڑی کانفرنسوں کا افتتاح کرتے ہیں مہمان خصوصی اور صدارت کے فرائض انجام دیتے ہیں اپنے ضمیر کی آواز پر بے باکانہ اظہار خیال کرتے ہیں ہر مسئلہ پر کھل کر خطاب کرنے کی ان میں اخلاقی جراءت ہے۔ ضروری ہو تو مسائل پر تنقید بھی کرتے ہیں لیکن ان کی تنقید مصلحانہ ہوتی ہے جارحانہ

نہیں ۔"سیاست" اخبار کو اپنی بنیادی پالیسی اور اپنی قدیم روایات پر قائم رکھتے ہوئے کسی بھی سیاسی یا غیر سیاسی پارٹی کا اخبار نہیں بنایا۔ آزادانہ خیالات کے حامی ہیں ۔ محدود نقطۂ نظر نہیں رکھتے۔ اپنے والدِ محترم سے ملنے والوں کا احترام کرتے ہیں اپنے سے چھوٹوں پر شفقت کی نظر رکھتے ہیں اور اپنے دوستوں سے بہترین مراسم کو پسند کرتے ہیں زاہد علی خان صاحب ایک کامیاب مدیر اور مہذب شہری کی حیثیت سے ساری اُردو دنیا میں مشہور ہیں حیدرآباد میں ہر مشکل موقع پر لوگوں کی نظر زاہد علی خان صاحب پر پڑتی ہے ریاست اور مرکز کی ہر حکومت نے سیاست اخبار کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے موجودہ چیف منسٹر جناب این چندرا بابو نائیڈو، زاہد صاحب کی عزت کرتے ہیں سیاسی قائدین سے چاہے ان کا تعلق کسی بھی پارٹی سے کیوں نہ ہو، ان کے تعلقات خوشگوار ہیں۔

کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے زیرِ اہتمام ہونے والے کل ہند نعتیہ مشاعروں کے نگران ہوا کرتے ہیں، خاص طور پر بیرونی شعراء کی فہرست کو صرف زاہد علی خان صاحب ہی قطعیت دیتے ہیں اُردو تحریک سے تعلق رکھنے والے اداروں اور شخصیتوں سے وابستگی رکھتے ہیں۔ سیاست میں ہر مکتبِ خیال کے اداروں اور شخصیتوں سے متعلق مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں "سیاست" اخبار سب کے لئے ہے۔ تمام

ردو پڑھنے والوں کے لئے ہے اور ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو اُردو
زبان سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اُن کے لئے بھی جو اُردو نہیں جانتے
مگر "سیاست" کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ زاہد علی خان صاحب کو ابھی
بہت لمبا سفر طے کرنا ہے لیکن انہوں نے جتنا بھی سفر طے کیا ہے وہ
ایسا ہے کہ ان کے دورانِ سفر اُن کی راہوں میں پھول بچھائے گئے
ہیں۔ معاشرہ کے ہر مہذب شہری نے دل و جان سے ان کا خیر مقدم
کیا ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ زاہد علی خان صاحب بذاتِ خود ذی مرتبت
شخصیت کے حامل ہیں۔ اعلیٰ خاندانی پس منظر رکھتے ہوئے بھی عام لوگوں سے
ملنے میں عار نہیں سمجھتے۔ غرور و تکبر قسم کی کوئی چیز ان کے قریب نہیں
پھٹکتی۔ ان کا سلسلۂ نسب شہر کے معزز ترین صاحب کمال خانوادہ
سے ملتا ہے۔ حیدرآبادی روایات اور اعلیٰ اقدار کی ترجمانی کرتے ہیں۔
وہ اعلیٰ اقدار کے قائل ہیں اور چاہتے ہیں کہ حیدرآباد کے لوگ حیدرآباد
کی شناخت اور تہذیب کو باقی رکھیں۔ اپنے قدیم ورثے کا تحفظ کریں۔
بلا تفریقِ مذہب و ملت، زبان و تہذیب اپنے مراسم ایک بہترین شہری
کی طرح برقرار رکھیں۔ زاہد علی خان صاحب ہمارے شہر کے لئے ایک
مینارۂ نور ہیں، خدا اس روشنی کو سلامت رکھے تاکہ اس روشنی
سے فیضیاب ہونے والے اپنی زندگی کو اُجالوں سے معمور کر دیں۔

خلیل الرحمٰن

باشعور سیاسی رہنما، مہذب شہری، ادب نواز، محبِ اُردو

ہمیں اپنے معاشرہ میں کچھ ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑتا رہتا ہے جن سے پہلی ملاقات کے وقت ہی شدت سے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ایسی محترم شخصیتوں سے اس سے پہلے کیوں ملاقات نہیں ہوئی۔ بعض لوگوں کی اچھائیاں اور خوبیاں پہلی ملاقات ہی میں کھل کر سامنے آجاتی ہیں لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو برسوں کی رسم وراہ کے بعد بھی پوری طرح کھل نہیں پاتے۔ جو لوگ بادِ صبا کی پہلی انگڑائی سے لے کر کلیوں کے کھلنے تک معاشرہ میں اپنے وجود کا احساس دلاتے ہیں ایسے لوگ بھی خوشگوار روابط کی اساس پر انسانی رشتوں کو منور کرتے رہتے ہیں نیکیوں اور خوبیوں کی خوشبو کبھی محصور نہیں رہتی بلکہ دُور دُور تک پھیل جاتی ہے اور وہاں تک پہنچتی ہے جس سے فیض پانے والے لوگ اپنی آنکھیں بچھائے رہتے ہیں شائستگی اور خوش مزاجی

اچھے انسانوں کی ایک خوبصورت نشانی ہوتی ہے جو ہمیشہ سوسائٹی میں اپنے متحرک وجود کا احساس دلاتی رہتی ہے کچھ ایسے لوگ بھی آنکھوں میں سما جاتے ہیں جن کی شخصیت معاشرہ میں اُجالوں کی ضامن بن کر دور و نزدیک کے اندھیروں کو روشنی میں بدل دیتی ہے۔ کچھ ایسی بھی شخصیتیں ہوتی ہیں جن سے ملاقات کرنے اور اُن سے روابط کو استوار رکھنے کو جی چاہتا ہے ایسی ہی پُر کشش، مہذب شخصیت جناب خلیل الرحمٰن سابق رکن پارلیمنٹ کی بھی ہے خلیل الرحمٰن صاحب جیسی شخصیت کا وجود آج ہماری تہذیب و ثقافت کی بقاء کے لئے ناگزیر ہے۔

۳۰، ۳۵ برس پہلے کی بات ہے کہ خلیل الرحمٰن صاحب سے میری پہلی ملاقات کوڑنگل کے ایک مشاعرہ میں ہوئی تھی وہ زمانہ میری ابتدائی شاعری کا زمانہ تھا اُن دنوں خلیل الرحمٰن صاحب انجمن ترقی اردو کوڑنگل کے جنرل سکریٹری تھے جنھوں نے بہت ہی عمدگی کے ساتھ جشن پنڈت دامودر ذکی کا اہتمام کیا تھا۔ اُن کے رفقائے کار میں نامور شاعر محب کوثر کے علاوہ کوڑنگل کے کچھ ایسے با اثر لوگ بھی تھے جو اُردو زبان اور اردو شعر و ادب سے والہانہ دلچسپی رکھتے تھے اُس مشاعرہ میں اُردو، ہندی کے نامور شاعر جناب کنول پرشاد کنول کی قیادت میں حیدرآباد سے تقریباً ۲۰، ۲۵ شاعروں نے شرکت کی

تھی پنڈت دامودر ذکی بہت ہی عمدہ شاعر تھے ان کے شاگرد آج بھی کوڑنگل اور محبوب نگر میں موجود ہیں جناب خلیل الرحمٰن صاحب کو طالب علمی کے زمانے سے ہی شعر و ادب سے دلچسپی ہے وہ شاعر تو نہیں ہیں لیکن اُن کی اُردو ادبیات پر گہری نظر ہے۔ بہترین مقرر ہیں خلیل الرحمٰن صاحب سے دوسری ملاقات ۲۵ سال پہلے اُردو ہال حمایت نگر میں انجمن ترقی اُردو کی سالانہ اُردو کانفرنس کے سلسلے میں ہوئی۔ جناب خلیل الرحمٰن صاحب کوڑنگل میں وکالت کرتے تھے وہ ایک مایہ ناز فرزندِ جامعہ عثمانیہ ہیں۔

تین سال پہلے میں اور رئیس اختر، خلیل الرحمٰن صاحب کے ساتھ اُن کی کار میں گلبرگہ کے ایک کل ہند مشاعرہ میں شرکت کے لئے جا رہے تھے موصوف مشاعرہ میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مدعو تھے وہ مشاعرہ جناب محب کوثر اور قاسم شاہ پوری کی شب و روز کی کاوشوں کا حاصل تھا ہزاروں ادب دوست حضرات و خواتین نے شرکت کی تھی خلیل الرحمٰن صاحب نے دورانِ سفر کہا تھا کہ جب این ٹی راما راؤ چیف منسٹر آندھرا پردیش بنے تو انھوں نے کوڑنگل سے انھیں بلوا کر تلگو دیشم پارٹی کا رکن بنوایا۔ خلیل الرحمٰن صاحب نے گفتگو کے دوران کہا کہ ایک ایسا موقع آیا کہ میں ایم پی (رکن لوک سبھا) بن گیا۔ ایم پی بننے کے بعد ان کے جوہر کھلنے لگے۔ اُن کی صلاحیتوں

کا اظہار ہونے لگا۔ ان کی سیاسی تقریروں اور بیانات سے یہ اندازہ ہونے لگا کہ ان میں سیاسی شعور بہ درجۂ اتم موجود ہے انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش سے وابستہ رہنے کی وجہ سے انہیں اُردو کی ترقی و تحفظ کو تقویت پہونچانے کے مواقع ملتے رہے ایم پی کی حیثیت سے پارلیمنٹ میں اُردو کے مسائل پر جم کر بحث کرتے رہے۔ اس دور کے اخبارات اس بات کے شاہد ہیں کہ کن کن مرحلوں پر ان کی مساعی کامیاب رہی۔ جناب خلیل الرحمٰن صاحب جس وقت (۱۹۹۰ء) میں رکن پارلیمنٹ تھے انہوں نے مرکزی حکومت کے سربراہوں کو توجہ دلا کر حاجیوں کے لئے ایرپورٹ کی ۷۰۰ روپے فیس سے مستثنیٰ کروایا جبکہ عام مسافرین کے لئے ایرپورٹ فیس ۷۰۰ روپے لی جاتی ہے۔ ہندوستان سے ہر سال تقریباً ایک لاکھ مسلمان حج بیت اللہ کے لئے جاتے ہیں اس طرح انہوں نے دس برسوں میں ۷ کروڑ روپے بچائے خلیل الرحمٰن صاحب کا یہ استدلال تھا کہ چونکہ حاجی مذہبی فریضہ کی ادائی کے لئے جاتے ہیں اس لئے ان سے ایرپورٹ فیس نہ لی جائے۔ جناب خلیل الرحمٰن صاحب کا یہ کارنامہ ناقابلِ فراموش ہے خلیل الرحمٰن صاحب کی شخصیت کے مختلف پہلو مسلم معاشرہ میں خاص طور پر اُبھر کر آنے لگے چونکہ خلیل الرحمٰن صاحب فطری طور پر نیک صفت پاک و صاف انسان ہیں اس لئے شہر کی علمی، ادبی و تہذیبی، فلاحی

تنظیموں سے ان کی وابستگی بڑھنے لگی۔ ہر اہم جلسے کو مخاطب کرنے کا انہیں موقع ملتا رہا۔ شہر کے بعض علمی وادبی، ملی و ثقافتی اداروں سے ان کی وابستگی اُن اداروں کی ترقی میں معاون ثابت ہوتی رہی۔ جناب خلیل الرحمن صاحب کی سیاسی بصیرت کی کئی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں ایک بے باک، باحوصلہ شہری کی طرح ہر وہ مسئلہ جو اُن کی نظروں میں سوالیہ نشان بنا رہتا ہے اس کی گتھیاں سلجھانے کے لئے پیش پیش رہتے ہیں۔ ان کی مقبولیت میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا آج ہم محسوس کر رہے ہیں کہ وہ حیدرآباد کے ایک نامور شہری کی حیثیت سے معاشرہ میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں خلیل الرحمن صاحبؒ سیاست" میں رہے لیکن انہوں نے کبھی اپنے ضمیر کا سودا نہیں کیا۔ این ٹی راما راؤ کے بعد این چندرا بابو نائیڈو کی حکومت میں تلگو دیشم پارٹی کے ساتھ اپنی وفاداری کو نبھاتے رہے لیکن جب تلگو دیشم پارٹی نے مرکزی حکومت کے قیام کے سلسلے میں بی جے پی کا ساتھ دیا تو انہوں نے تلگو دیشم پارٹی کی ابتدائی رکنیت سے بطور احتجاج استعفیٰ دے دیا۔ ایسا انہوں نے ضمیر کی آواز پر کیا لیکن تلگو دیشم پارٹی سے وابستہ دیگر مسلم قائدین اور ارکان ایسا جرالت مندانہ قدم نہیں اُٹھا سکے اور آج بھی وہ تلگو دیشم پارٹی سے وابستہ رہ کر بی جے پی جیسی مسلم دشمن جماعت کو پروان چڑھا رہے ہیں سارا ملک جانتا ہے کہ کس کس طریقے سے مسلم اقلیتوں کو نقصان

پہونچایا جا رہا ہے مسلم اقلیتوں کو ہر روز ایک نئے اذیت ناک مرحلے سے گذرنا پڑ رہا ہے لیکن ہمارے شہر کے تلگو دیشم کے بعض بے حس ارکان و قائدین محض اپنی کرسی اور اپنے ذاتی مفاد کے لئے مسلم معاشرے کے ساتھ کھلواڑ کر رہے ہیں تلگو دیشم پارٹی صرف کانگریس کی کٹر مخالفت میں بی جے پی کا ساتھ دے کر مسلم اقلیتوں کی تباہی کی ذمہ دار بن چکی ہے تلگو دیشم پارٹی کے قائدین نے ملک کی تمام اقلیتوں خاص طور پر مسلم اقلیتوں کو ناقابل تلافی نقصان پہونچایا ہے۔ خلیل الرحمن صاحب کی غیرت و حمیت نے انھیں پارٹی چھوڑنے پر مجبور کیا اور انھوں نے اچھا ہی کیا کہ وہ مسلم اقلیتوں کی ناراضگی اور اُن کے لعن طعن سے بچ گئے اکثر جلسوں میں چاہے وہ سیاسی ہوں کہ غیر سیاسی ہوں صدر یا مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرنے اور مخاطب کرنے سے ان کی مقبولیت میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے خلیل الرحمن صاحب کو اُردو زبان اور اردو شعر و ادب سے والہانہ وابستگی ہے اردو اکیڈیمی کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے بھی انھوں نے اکیڈیمی کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کے رکن عاملہ اور ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے نائب صدر ہیں ایوانِ پرنس معظم جاہ شجیع کے مستقل مہمانِ خصوصی ہیں ان کے علاوہ شہر کی بعض نمائندہ ادبی و تہذیبی علمی و ملی اداروں سے بھی وابستہ ہیں اُردو زبان اور تعلیم کے اُلجھے ہوئے مسائل کی یکسوئی کے لئے وہ کوشاں رہا کرتے ہیں نہایت سیدھے سادے، با اخلاق، ہمدرد اور مخلص ترین انسان

ہیں۔ باکردار، معتبر شہری ہیں۔ یقیناً میری طرح ان کی دوستی پر ان کے احباب فخر محسوس کرتے ہوں گے۔ ادارۂ میرا شہر میرے لوگ سے وابستہ تمام شاعروں، ادیبوں کو وہ ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ کھلے دل سے ان کی قدرا فزائی میں پیش پیش رہتے ہیں ایوان پرنس معظم جاہ شجیع کے مشاعروں میں نہایت پابندی کے ساتھ مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرتے ہیں اور اپنے معلومات آفرین خطاب سے حاضرین محفل کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں سرپرست ایوان پرنس معظم جاہ شجیع پرنسس الوری بیگم اور ان کے فرزند پرنس شہامت جاہ، خلیل الرحمٰن صاحب کی بہت عزت کرتے ہیں اور ان کی ایوان کے مشاعروں میں شرکت پر ممنونیت کا اظہار کرتے ہیں۔

جناب خلیل الرحمٰن صاحب کی شخصیت شفاف آئینہ کی طرح بے داغ ہے۔ میں نے کسی ایک شخص کو بھی مختلف مسائل پر ان سے غیر ضروری اختلاف کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ دوٹوک انداز میں بغیر کسی ذہنی تحفظ کے اپنے دل کی بات زبان پہ لاتے ہیں نہ صرف تقریر کے ذریعہ بلکہ اپنے صحافتی بیان کے ذریعہ بھی اپنے روشن خیالات کے اظہار سے معاشرہ کی رہبری کرتے ہیں اور اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ زندگی کا ہر لمحہ صداقت، رواداری، محبت نوازی اور انسانی رشتوں کی امانت ہوتا ہے جس کا حق ادا کرنا چاہیئے۔

اپنی زندگی کے اس طویل عرصے میں، میں نے کئی صاحبانِ علم و

دانشوں، اکابرینِ علم وادب، باکمال سیاست دانوں اور مہذب شہریوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے لیکن خلیل الرحمٰن صاحب کی سحر انگیز شخصیت کی بات کچھ اور ہے ان کی شائستگی، اُن کا مخصوص رکھ رکھاؤ معاشرہ کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے ان سے ملاقات کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے خاص طور پر شاعروں، ادیبوں اور محبانِ اُردو سے انھیں آئے دن سابقہ پڑتا ہے ان میں یہ بات یقیناً منفرد ہے کہ انہیں لوگوں کو پہچاننے میں دیر نہیں لگتی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ ایسے ہی علمی وادبی جلسوں میں شرکت کرنا پسند کرتے ہیں جہاں انھیں شرکت سے خوشی محسوس ہوتی ہے چاہے وہ کوئی بھی موضوع ہو وہ بے باکانہ اظہارِ خیال میں تامل نہیں کرتے۔ خلیل الرحمٰن صاحب ہماری ادبی محفلوں میں بہ خوشی شرکت کرتے ہیں اور اپنے بہترین خیالات سے ہماری محفلوں کو پُر نور بنا دیتے ہیں میں نے انھیں سوغاتِ نظر کی محفلوں میں بھی گل افشانی کرتے ہوئے دیکھا ہے سچ تو یہ ہے کہ اُن کی مختلف خوبیوں اور اُن کی ہمہ رنگی قابلیت کی وجہ سے محبانِ اُردو اُن کے خیالات سے مستفید ہونا چاہتے ہیں خلیل الرحمٰن صاحب کئی برسوں سے ادارہ میرا شہر میرے لوگ، ایوانِ پرنس معظم جاہ شجیع سے وابستہ ہیں جن کے وجود کا احساس ان اداروں کی بہترین سرگرمیوں کے لئے ایک طاقت کی حیثیت رکھتا ہے خلیل الرحمٰن صاحب کے بیانات چاہے وہ سیاسی ہوں کہ ادبی نپے تلے، متوازن انداز میں ہوتے ہیں جو کچھ وہ کہنا چاہتے ہیں بے لاگ اور جامع انداز میں کہہ جاتے ہیں ان

کے ہاں مصلحت پسندی کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے مسائل پر مدلل گفتگو کرتے ہیں میں نے دیکھا ہے کہ ان سے جب ان کے قدیم دوست ملتے ہیں تو وہ بے ساختگی کے ساتھ حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں اپنے قدیم دوستوں سے گفتگو کرتے ہوئے اپنی تہذیب رفتہ، ماضی کی روایات کا تذکرہ بار بار کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں اپنے ورثے سے کس قدر لگاؤ ہے خلیل الرحمٰن صاحب ایک صاحب الرائے انسان کی طرح کئی لوگوں کے مسائل کو بہترین طریقہ سے سلجھانے میں کامیاب رہے ہیں شرافت، مروت، خلوص و انسانیت ان کی گھٹی میں پڑی ہے انہیں نام و نمود کی خواہش نہیں ہے ان میں اس قدر خوبیاں ہیں کہ مختلف تنظیموں کے سربراہ ان کو اپنے جلسوں میں مدعو کر کے اپنے جلسوں کی شان میں اضافہ کرتے ہیں خلیل الرحمٰن صاحب کی شخصیت ہی ایسی ہے کہ ان کے نام سے جلسوں کی توقیر میں اضافہ ہوتا ہے ان سے ملنے والوں کی ایک کثیر تعداد ہے لیکن بعض ملاقاتیوں سے فاصلہ رکھ کر گفتگو کرتے ہیں روابط و رسم و راہ کے لئے بخالت سے کام نہیں لیتے لیکن شخصیتوں کو پرکھنے کا انہیں ملکہ حاصل ہے نبض شناس، دیدہ ور، با صلاحیت انسان کی طرح وہ اپنے معاشرہ کے ایک ممتاز شخص ہیں ان کی خوش مزاجی ان کی طبیعت کی وارفتگی اور ان کے ظاہر و باطن کی یکسانیت نے بھی ان کو اپنے ساتھیوں میں مقبول بنا دیا ہے ان کی شائستگی، بذلہ سنجی ان کے مزاج کا ایک پُر اثر حصہ ہے آدابِ محفل، اندازِ گفتگو کچھ اس

طرح کا ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کا سلسلہ' مہذب' باوقار اور اعلیٰ ظرف
خانوادہ سے رہا ہے۔ خاندانی شرافت' فطری نفاست' ذہنی و فکری
نعمتوں نے ان کی شخصیت کو اور معتبر بنا دیا ہے ہمارے معاشرہ نے
ہمیشہ ان کے کام کی قدر کی ہے ان کا وجود روشنی کا ایک تسلسل ہے جو ان
کے پرکھوں سے نسلاً در نسلاً چلا آرہا ہے خلیل الرحمٰن صاحب کی
رفاقت پر ہمیں فخر محسوس ہوتا ہے میری ہمیشہ یہ خواہش رہے گی کہ
خدائے برتر ہمیں توفیق دے کہ ہم اُن کی بے پناہ محبت سے مستفید ہوتے رہیں۔

پروفیسر افضل محمد

(ہونہار فرزندِ جامعہ عثمانیہ ۔ نامور دانشور اور ماہر تعلیم)

جامعہ عثمانیہ کے بے شمار صاحبانِ علم و فن، دانشورانِ فکر و نظر اور اربابِ فہم و فراست کے نام ایک ہی سانس میں کچھ اس طرح لیئے جاسکتے ہیں جس طرح نور و نغمات کی بارش میں نہائے ہوئے لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے سرزمین دکن نے ایسے ایسے لاجواب جواہر پاروں کو جنم دیا ہے کہ جن کی چمک مہذب دنیا کے گوشے گوشے میں جلوہ گر ہے اور جس سے ہماری عطر و عنبر میں بھیگی ہوئی ہی مہکنے لگتی ہے ۔ ہر دور میں تمام شعبۂ حیات میں حیدرآباد کے نامور لوگوں نے نہ صرف اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور اپنے بے مثال کارناموں سے اعلیٰ سطح پر اپنی پہچان بنائی ہے بلکہ حیدرآباد کا نام بھی روشن کیا ہے علمی، ادبی ہو کہ سیاسی و غیر سیاسی، تہذیبی و ثقافتی ہو کہ ملی و فلاحی وہ کونسا ایسا شعبہ ہے جس میں حیدرآباد کے باصلاحیت صاحبِ کمال لوگوں نے اپنی شخصیت کو نہیں منوایا ۔ یہاں کے لوگ امتحان

در امتحان" قدم بہ قدم کچھ ایسے مقامات سے بھی گزرتے رہے ہیں (گزر رہے ہیں) کہ جن کا تصور ہی دوسروں کے حوصلوں کو پژمردہ کر دیتا ہے۔

ہمارے شہر کے روشن خیال اور منور دل و دماغ رکھنے والے دانشوروں میں ایک اہم نام پروفیسر افضل محمد کا بھی ہے۔ پروفیسر افضل محمد کا سارا خاندان تعلیم یافتہ ہے ان کے والدِ محترم اردو، فارسی کے بلند مرتبت شاعر علامہ حیرت بدایونی اردو شعر و ادب کی دنیا میں ایک اہم مقام رکھتے تھے۔ اردو تہذیب کی نمائندہ شخصیت نامور ناول نگار پدم شری جیلانی بانو اُن کی ہمشیرہ ہوتی ہیں۔ ان کے بھائیوں میں احمد جلیس مرحوم ڈپٹی ڈائرکٹر دوردرشن (بنگلور) کا نام بھی دانشوروں میں لیا جاتا رہا ہے۔ پروفیسر صاحب جامعہ عثمانیہ میں شعبۂ جغرافیہ سے عرصۂ دراز تک وابستہ رہے اس کے بعد آرکیالوجیکل ڈپارٹمنٹ نے بھی پروفیسر صاحب کی خدمات سے استفادہ کیا۔ آج وہ اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور اللہ کی مہربانیوں سے ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں)۔ پروفیسر افضل محمد ایک بہترین مفکر اور غیر معمولی صلاحیت و قابلیت کے حامل انسان ہیں

جب اخباروں میں یہ اطلاع شائع ہوئی کہ پروفیسر افضل محمد بابا صاحب امبیڈکر اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر بن گئے ہیں تو خاص طور پر لسانی اقلیتوں اور محبانِ اردو کے حلقوں میں جشن

کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اپنی بے پایاں مسرت کا اظہار کیا تھا۔ پروفیسر افضل محمد اپنی حد درجہ اہلیت و قابلیت کا بھرپور احساس دلاتے ہوئے پوری نیک نامی کے ساتھ اس جلیل القدر عہدہ پر فائز ہیں بابا صاحب امبیڈکر اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی حیثیت سے ان کی مدت ملازمت ختم ہونے کے باوجود بھی ان کی اعلیٰ کارکردگی کے پیش نظر مدت ملازمت میں توسیع دی گئی۔ پروفیسر افضل محمد اوپن یونیورسٹی کے علاوہ ریاست کی بعض دیگر یونیورسٹیوں کے انچارج وائس چانسلر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دے چکے ہیں جامعہ عثمانیہ سے شعبۂ جغرافیہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ انہیں اردو شعر و ادب سے کافی لگاؤ ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں بی اے کی طالب علمی کے زمانے میں وہ مجلۂ عثمانیہ (اردو) کے ایڈیٹر تھے اس سے قبل جبکہ وہ چادر گھاٹ کالج میں انٹرمیڈیٹ کے طالب علم تھے وہاں کے ترجمان فکر نو کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے منتخب ہوئے تھے اپنے دور طالب علمی میں کالج کی علمی و ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے پروفیسر صاحب اردو کے ایک اچھے ادیب بھی ہیں۔ مختلف موضوعات پر ان کے مضامین سیاست میں شائع ہوتے رہتے ہیں سلجھی ہوئی شخصیت کے مالک ہیں چاہے وہ کوئی موضوع ہو انہیں اظہار خیال میں ملکہ حاصل ہے طبیعت کی سادگی کا یہ عالم ہے کہ وائس چانسلر کے عہدہ پر

فائز ہونے کے باوجود بھی اپنے ساتھیوں اور طالب علموں سے گھل مل کر ملتے ہیں۔ اپنے تمام دوستوں سے بے تکلف اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں انتہائی باوقار، معتبر اور پر خلوص انسان ہیں ان کے مزاج کی سادگی کا یہ پہلو بھی غور طلب ہے کہ انہوں نے یونیورسٹی کے وائس چانسلر لاج میں قیام کرنا پسند نہیں کیا بلکہ اپنے آبائی مکان واقع چھیتہ تگر ملے پلی میں رہنے کو ہی ترجیح دی۔ اب بھی وہ اپنے آبائی مکان میں رہتے ہیں انہیں اپنے گھر کے در و دیوار سے جذباتی لگاؤ ہے اس قدر سادہ طبیعت ہیں کہ کبھی کبھی سودا سلف کے لئے خود نکل جاتے ہیں کچھ مہینوں پہلے کی بات ہے کہ پروفیسر صاحب شام کے وقت ٹہلتے ٹہلتے ملے پلی کی ہری بستی کے روبرو واقع اسٹیشنری کی دکان پر پہونچے۔ مجھے دیکھتے ہی میری پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ "شاعر کیا ہو رہا ہے؟" میں حیرت میں پڑ گیا کہ ایک وائس چانسلر اور یہاں۔ میں اُس دکان پر اپنے لئے کچھ اسٹیشنری خریدنے کے لئے گیا تھا۔ پروفیسر افضل محمد بھی کسی کام کے لئے وہاں آئے تھے۔ میں ابتدائی شاعری کے زمانے میں علامہ حیرت بدایونی کے دولت خانے پر کسی نہ کسی مشاعرے کے سلسلے میں جایا کرتا تھا۔ علامہ مجھے بعض مشاعروں میں کلام سنانے کے لئے مدعو کرتے تھے۔ علامہ کے مکان میں کبھی کبھی محفل مشاعرہ کا اہتمام کیا جاتا تھا اور یہ اُس وقت ممکن ہوتا جب کسی مشاعرہ یا ادبی تقریب میں مشہور و معروف بیرونی شعراء و ادباء حیدرآباد آتے۔

میں پروفیسر افضل محمد کو تقریباً ۴ برس سے جانتا ہوں۔ پروفیسر صاحب طالب علمی کے زمانے میں اخبار سیاست سے کچھ عرصہ کے لئے وابستہ رہے انہوں نے اپنے قدیم دوستوں کو نہیں بھولا اکثر ادبی جلسوں اور دیگر تہذیبی تقاریب میں جب ان سے ملاقات ہوتی ہے تو جی خوش ہوتا ہے وہ انتہائی سادگی کے ساتھ اپنے دوستوں سے ملاقات کرتے ہیں شاعروں میں رئیس اختر ان کے بے حد قریبی دوست ہیں میرے مراسم کا تسلسل شنکر جی میموریل سوسائٹی کے کل ہند مشاعروں سے ہے اس ضمن میں افضل محمد صاحب کبھی کبھی مجھ سے تعاون حاصل کیا کرتے تھے۔ خاص طور سے بیرونیان شعراء کی فہرست سے متعلق بھی مشورہ کرتے تھے جناب عابد علی خاں اور جگر صاحب کے زمانے میں اکثر دفعہ سیاست آتے تھے آج بھی زاہد علی خان سے ملاقات کے لئے سیاست آتے ہیں۔ میں اگر انہیں آفس میں دکھائی دیا تو وہ مجھ سے بھی پُر تپاک طریقے سے ملتے ہیں اپنی خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ۔ افضل محمد صاحب کئی بیرونی ممالک کے دورے کر چکے ہیں اور ہر ملک کے دورہ نے اُن کی معلومات میں اضافہ کیا ہے ملک کی بہت سی یونیورسٹیوں کی مختلف کمیٹیوں سے وابستہ ہیں شنکر جی مشاعروں کے کنوینر رہ چکے ہیں۔ پورے اعتماد کے ساتھ مشاعرہ کی ابتدائی کارروائی چلاتے رہے۔ بیرونی شعراء کے انتخاب کے سلسلے میں عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کے مشورہ کو قدر کی نگاہ سے

سے دیکھتے تھے۔ اکثر دفعہ جگر صاحب کی فہرست کو ہی قطعیت دی جاتی تھی
شنکر جی کے مشاعروں کا آغاز عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کی
شخصی دلچسپی کا آئینہ دار رہے بانی نمائش سوسائٹی شنکر جی کو اردو
شعر و ادب سے بے حد لگاؤ تھا ان کا شمار بھی نامور فرزندان
جامعہ عثمانیہ میں ہوتا ہے۔ اردو شاعری سے ان کی دلبستگی کے پیش نظر
انہیں خراج پیش کرنے کے لئے شنکر جی مشاعروں کا آغاز کیا گیا۔
مشاعروں کے سلسلے میں محی الدین جیلانی صاحب کلیدی رول ادا کرتے ہیں
نمائش سوسائٹی کے دیگر ارکان مسٹر بندر جی، پیر دفیر افضل محمد،
پنڈت جی کا بھی بھرپور تعاون رہتا تھا مسٹر وینکٹ ریڈی مرحوم بھی
پیش پیش رہتے تھے۔ پیر دفیر افضل محمد نمائش سوسائٹی کے اعلیٰ عہدوں
پر مامور رہے۔ نمائش سوسائٹی کے زیر اہتمام کام کرنے والے کالجس کے
مختلف شعبوں کے سربراہ بھی رہے ہیں۔ گذشتہ ۲۵ برسوں سے
پابندی کے ساتھ شنکر جی کل ہند مشاعرے منعقد کئے جا رہے ہیں جن
میں ملک بھر کے نامور شاعروں کو مدعو کیا جاتا ہے شنکر جی مشاعروں
میں ہزاروں لوگ شرکت کرتے ہیں پیر دفیر افضل محمد، شریف النفس
ملنسار، پاک و صاف انسان ہیں۔ ان کے مزاج میں بے حد انکساری
ہے۔ خود داری، وضع داری، مروت و شرافت کی پاسداری کرتے ہیں
اپنے بزرگوں سے بہت ہی عزت و احترام کے ساتھ ملا کرتے ہیں
احباب سے برابری کا سلوک روا رکھتے ہیں ا۔ اپنے سے چھوٹوں پر

مہربان رہتے ہیں پروفیسر افضل محمد نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی وہ میری شعری و ادبی سرگرمیوں سے متاثر ہیں، حوصلے بڑھاتے ہیں کچھ عرصے پہلے اوراق ماضی کے زیر عنوان میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے علامہ حیرت بدایونی کے فن اور شخصیت کو خراج پیش کرنے کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد انسٹیٹوٹ میں شاندار پیمانے پر ادبی اجلاس منعقد کیا گیا تھا۔ پروفیسر افضل محمد کے علاوہ اُن کی بہن جیلانی بانو نے بھی شرکت کی تھی۔ افضل محمد صاحب جہاں کہیں بھی جاتے ہیں حیدرآبادی تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں اگرچہ ان کے والد محترم شمالی ہند (بدایون) سے تعلق رکھتے ہیں لیکن علامہ کی تمام اولاد ہمیشہ حیدرآباد کی فضاؤں کی بات کرتی ہے پروفیسر افضل روشن دماغ انسان ہیں آج بھی ان کا دل و دماغ اُجالوں کا سفر طے کر رہا ہے سادگی اور ملنساری کے باوجود وہ اپنے اصولوں کو بہت عزیز رکھتے ہیں وہ ایسی ہی محفلوں میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرنا پسند کرتے ہیں جہاں مقررین اُن کے ہم خیال ہوں۔ کسی ادبی تقریب میں شرکت کی رضامندی دینے سے پہلے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کن کن حضرات کو مدعو کیا گیا ہے اگر مہمانان خصوصی اور مقررین میں کوئی ناپسندیدہ شخص ہو یا اُن کے ہم مزاج نہ ہو تو وہ شرکت سے معذرت چاہتے ہیں پروفیسر صاحب بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں ہر موضوع پر گھنٹوں بے تکان تقریر کرتے ہیں متعلقہ موضوع کی نوعیت کے لحاظ سے مختصر یا جامع خیالات کے اظہار پر انہیں قدرت حاصل ہے پروفیسر صاحب کی تقریر

کہ سامعین پوری توجہ کے ساتھ سنتے ہیں ۔ بلا جھجک، بلا خوف و خطر، بلا مصلحت صاف صاف لفظوں میں اپنی بات کرتے ہیں ۔ پروفیسر صاحب کی شخصیت اور ان کے کارناموں پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے چونکہ ان کے علمی و ادبی کارناموں کا سلسلہ جاری ہے ۔ انشاء اللہ کسی اور موقع پر ان کے کارناموں کا احاطہ کیا جائے گا ۔ پروفیسر افضل محمد صاحب جیسے باکمال دانشور پر مجھے ہی نہیں اہل حیدرآباد کو ہمیشہ فخر رہے گا ۔

آصف پاشاہ

(اعتدال پسند سیاسی قائد۔ نفیس آدمی)

ریاست آندھرا پردیش کے علاقہ آندھرا جیسے کرنول، کڑپہ، وجئے واڑہ نندیال، اننت پور وغیرہ میں بھی کچھ ایسی شخصیتیں گزری ہیں اور اب بھی موجود ہیں جو نہ صرف سیاسی میدان ہی میں شہرت رکھتی ہیں بلکہ علمی وادبی، تعلیمی و ملی خدمات کے سلسلے میں بھی مشہور ہیں۔ خاص طور پر کرنول اور گلبرگہ پہ شعروادب کی سرگرمیوں کے لئے ہر دور میں سرگرم عمل رہا ہے سارے علاقہ آندھرا میں کرنول اور گڈپہ ہی دو ایسے ضلع ہیں جہاں اعلیٰ پیمانہ پر کل ہند مشاعروں کے علاوہ عظیم الشان پیمانے پر مذہبی اجتماعات ہوتے رہے ہیں (ایسا سلسلہ آج بھی جاری ہے) کرنول کے نواب طلعت اللہ خان صاحب نے اپنی زندگی میں بہت سے کل ہند مشاعروں کا اہتمام کیا۔ کئی اردو کانفرنسوں کی سرپرستی کی۔ اردو ماحول کو برقرار رکھا۔ نواب طلعت اللہ خان صاحب کی

خدمات بھی یاد رکھی جائیں گی۔

آصف پاشاہ صاحب کا تعلق ضلع وجئے واڑہ سے رہا ہے ان کے آباء و اجداد وجئے واڑہ کے صف اول کے ممتاز شہریوں میں شمار کئے جاتے ہیں وہ وجئے واڑہ کے متمول گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں کرسچین کالج گنتور سے گرائجویشن کیا مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے ایم اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۹۷۲ء ایل ایل بی کا امتحان درجۂ اول میں کامیاب کیا۔ اپنی اعلیٰ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۸ ایرس تک وجئے واڑہ میں وکالت کی۔ کانگریس پارٹی سے وابستہ ہوگئے ایم ایل اے ہوئے اور وینگل راؤ کی چیف منسٹری کے زمانے میں ۱۹۷۴ء - ۱۹۷۸ تک قانون، جیل، پرنٹنگ اور شوگر فیکٹریز کے وزیر رہے۔ اقلیتی کمیشن کے چیرمن رہے۔ جب تلگو دیشم پارٹی برسر اقتدار آئی توین ٹی راما راؤ چیف منسٹر بنے۔ اس وقت کانگریس حکومت کے مختلف کارپوریشنس کے صدور نے استعفیٰ دیا۔ آصف پاشاہ صاحب نے بھی استعفیٰ دیا۔ چیف منسٹر این ٹی راما راؤ نے تمام صدور کارپوریشن کا استعفیٰ منظور کیا لیکن آصف پاشاہ صاحب کا استعفیٰ منظور نہیں کیا۔ تلگو دیشم حکومت میں آصف پاشاہ ۸ ماہ تک صدر نشین اقلیتی کمیشن کے عہدہ پر فائز رہے۔ بحیثیت صدر نشین اردو اکیڈیمی کی حیثیت سے بھی آصف پاشاہ کی کارکردگی نمایاں رہی۔ اس وقت جناب عابد علی خان مدیر سیاست مجلس عاملہ کے صدر نشین تھے

نامور مزاح نگار جناب بھارت چند کھنہ ریٹائرڈ ڈپٹی سکریٹری حکومت
آندھرا پردیش اکیڈیمی کے پہلے سکریٹری بنے۔ آصف پاشاہ اور
عابد علی خان صاحب کے مزاج کی ہم آہنگی نے اردو اکیڈیمی کی سرگرمیوں
کو سر بلند کیا۔ آصف پاشاہ صاحب نے کل ہند مشاعرہ کے سلسلے میں
مجھے مدعو کیا تھا جو عظیم الشان پیمانے پر کل ہند مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی
کے زیر اہتمام ۱۹۷۴ء میں احاطہ کنگ کوٹھی میں منعقد ہوا تھا۔ جناب
آصف پاشاہ کل ہند مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے صدر نشین تھے اس
مشاعرہ میں فلم انڈسٹری کے مایہ ناز اداکار دلیپ کمار نے شرکت کی تھی
مشاعرہ میں صرف حیدرآباد کے ہی نامور و منتخب شعراء مدعو تھے جن میں
قابلِ ذکر سعید شہیدی، خیرات ندیم، کنول پرشاد کنول، شاذ تمکنت،
صلاح الدین نیر، رئیس اختر، ناصر کرنولی وغیرہ شامل تھے اُن کے دورِ
صدارت میں میرے (دوسرے فلمکاروں کے ساتھ ساتھ) دوسرے مجموعہ
کلام "زخموں کے گلاب" کو زخمی اعانت ملی تھی۔ قیام اُردو اکیڈیمی کے
بعد، اردو اکیڈیمی کا پہلا دفتر سکریٹریٹ بلڈنگ کے قریب کی عمارت
میں کام کرتا تھا جو اے جی آفس کے روبرو واقع تھا جناب عابد علیخان
صاحب کی خواہش پر اکیڈیمی کے اسٹاف کی مدد کے لئے وقفہ وقفہ سے درمیان
کچھ دن تک میں اکیڈمی کے آفس جاتا رہا۔ الحسن رفعت صرف ۳، ۴ افراد ہی
آفس میں کام کرتے تھے۔ کچھ مہینوں کے بعد اردو اکیڈیمی کا آفس
جناب آصف پاشاہ کی سرکاری رہائش گاہ واقع ریڈ ہلز میں منتقل ہوا۔

جہاں میں بعض ادبی معاملات کے سلسلے میں آصف پاشاہ صاحب سے ملاقات کرتا رہا۔ آصف پاشاہ صاحب کے دورِ وزارت میں ایک عظیم الشان مشاعرہ وجئے واڑہ میں ہوا تھا۔ مشاعرہ اچانک طے پایا تھا آصف پاشاہ صاحب نے عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب سے یہ خواہش کی تھی کہ حیدرآباد کے نمائندہ شاعروں کو مشاعرہ میں شرکت کے لئے مدعو کریں۔ جگر صاحب نے یہ ذمہ داری مجھے سونپی اور میں حیدرآباد کے نمائندہ شاعروں کو اپنے ہمراہ لے کر ذریعہ ٹرین وجئے واڑہ پہونچا۔ ٹرین کے سفر سے لے کر مشاعرہ کے دوران اور بعد میں بھی تمام شاعروں کی بھرپور پذیرائی کی گئی۔ دل کھول کر شاعروں کی خدمت کی گئی۔ جب ہم ریلوے اسٹیشن پہونچے تو ہمارا شایانِ شان استقبال کیا گیا۔ تمام شاعروں کی ریلوے اسٹیشن پر گل پوشی کی گئی۔ آصف پاشاہ نہایت سلجھی ہوئی طبیعت کے خلیق انسان کی حیثیت سے بہت سے مستحق لوگوں کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ آصف پاشاہ اب بھی کانگریس پارٹی سے وابستہ ہیں۔ بک در گیر محکم گیر کے قائل ہیں انھیں اردو زبان وادب اور اردو تہذیب سے بے حد لگاؤ ہے شہر کی ادبی محفلوں اور مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں لیکن کم کم۔ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کے زمانے میں سیاست آفس آتے تھے آج بھی زاہد علی خاں صاحب سے ملاقات کے لئے آتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی۔ کوئی خاص کام ہو تو۔ اس وقت نظامس چیریٹبل ٹرسٹ

کے ٹرسٹی ہیں۔ تقریباً تین برس تک ایوان پرنس معظم جاہ شجیع کے
مشاعروں میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرتے رہے ہیں
شعری ذوق بہت معیاری ہے لیکن ان کے داد دینے کا انداز نہایت
سنجیدگی کا مظہر ہوتا ہے۔ اپنے دوستوں کے ساتھ خلوص کے ساتھ رہتے
ہیں آصف پاشاہ صاحب سے جب کبھی ملاقات ہوتی ہے تو نہایت خندہ
پیشانی کا مظاہرہ کرتے ہیں راج بھون کی تقریباً ہر تقریب میں موجود رہتے
ہیں میں بھی شریک رہتا ہوں وہاں بھی اُن سے ملاقات ہوتی ہے موجودہ
نائب صدر جمہوریۂ ہند جناب کرشن کانت جب گورنر آندھرا پردیش تھے تو
راج بھون میں وقتاً فوقتاً شاعروں کے علاوہ مختلف نوعیت کی تہذیبی و
ادبی تقاریب ہوتی تھیں بعض تقاریب کا میں کنوینر رہا ہوں موجودہ
گورنر صاحب نے بھی راج بھون کی روایت کو باقی رکھا ہے آصف پاشاہ
کم آمیز، کم گو، بے حد نفیس، باکردار مخلص ترین انسان ہیں۔ اپنے احباب
میں پسندیدگی و قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں سیاسی زندگی میں بھی
آصف پاشاہ کا دامن پاک و صاف رہا ہے ان کے دورِ وزارت میں
اُردو کے لئے جو اُن سے ممکن ہو سکا اعانت کرتے رہے۔ اُردو اکیڈیمی
کی صدارت کے دور میں عابد علی خان صاحب صدر مجلس عاملہ کی تجاویز
اور اُن کے فیصلوں کو خوش دلی کے ساتھ قبول کرتے تھے۔ دونوں کے
بہت ہی اچھے مراسم تھے۔ حیدرآباد کے معزز گھرانے سے تعلق رکھنے والی
شخصیت عبدالستار گھٹالہ صوبیدار اورنگ آباد اُن کے خسر محترم تھے

جو محبوب نگر اور حیدرآباد کے کلکٹر بھی رہ چکے ہیں حضور نظام میر عثمان علی خان کے معتمدِ پیشی بھی تھے اس وجہ سے ان کے رہن سہن اور رکھ رکھاؤ میں آندھرا علاقے کی چھاپ بہت کم دکھائی دیتی ہے محسوس ہی نہیں ہوتا کہ آصف پاشاہ کا تعلق آندھرا کے علاقہ سے ہے آصف پاشاہ کو میں کئی ادبی جلسوں اور مشاعروں میں مدعو کر چکا ہوں۔ ان کی تقریر نہایت مختصر مگر جامع ہوتی ہے وہ لفاظی اور غیر متعلق باتوں سے گریز کرتے ہیں۔ کوئی بھی جگہ کیوں نہ ہو جلسے کی نوعیت کے اعتبار سے اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ تھدی پٹنم میں اپنے ذاتی مکان میں سکونت پذیر ہیں ان کے احباب اُن سے ملاقات کے لئے ان کے دولت خانہ پر پہونچ جاتے ہیں۔ نظامس چیریٹبل ٹرسٹ کے ٹرسٹی کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں نہایت صاف گو اور ایماندار آدمی ہیں خوشامد پسندوں کو اپنے سے دور رکھتے ہیں بے حد سمجھ بوجھ کے انسان ہیں اردو اکیڈیمی کا آفس جب آصف پاشاہ کی قیام گاہ پر ہوا کرتا تھا تو وہاں میں نے دیکھا کہ اُن کے ملنے کے لئے سیاسی و غیر سیاسی لوگوں کے علاوہ شاعر و ادیب دکھائی دیتے تھے دراصل آصف پاشاہ ضرورت مندوں کی ہر ممکنہ اعانت کرتے تھے ہر ملاقاتی سے اُس کی حیثیت و رتبے کے لحاظ سے ملاقات کرتے تھے جہاں تک میرا معاملہ ہے وزیٹنگ کارڈ بھیجتے ہی بلوا لیتے۔ میری ملاقات صرف اور صرف ادبی اُمور سے متعلق ہوتی تھی (کسی ادبی جلسے یا مشاعرے کے سلسلے میں)

آصف پاشاہ کو میں نے جس محفل میں بھی مدعو کیا وہ شرکت کرتے رہے ان کے چہرہ پر ہمیشہ سنجیدگی دکھائی دیتی ہے ان کی مسکراہٹ بھی بڑی دلکش ہوتی ہے ان کی گفتگو میں ہلکے سے مزاح کی چاشنی رہتی ہے ان سے بات کرتے ہوئے مسرت محسوس ہوتی ہے ان کی گفتگو سے کبھی یہ احساس نہیں دلایا کہ وہ گفتگو کرنے سے گریز کر رہے ہیں ملاقات میں خلوصِ دل کا مظاہرہ کرتے ہیں میں آصف پاشاہ کی دل و جان سے قدر کرتا ہوں مجھے ان سے گفتگو کرتے ہوئے بے حد سکون ملتا ہے جیسا کہ میں نے محسوس کیا ہے ان کے قریبی دوستوں میں مشہور سیاستداں جناب خلیل الرحمن سابق ایم پی شامل ہیں آصف پاشاہ کے بہت کم شاعروں سے رسم و راہ ہے۔ ان کی اولین فہرست میں میرا اور شمیس اختر کا نام شامل ہے آصف پاشاہ ہم دونوں کی شاعری کے بڑے دلدادہ ہیں وہ ایوان پرنس معظم جاہ شجیع کے مشاعروں میں پابندی سے شرکت کرتے رہے ہیں۔

دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ آصف پاشاہ کے شب و روز کا ہر لمحہ اُجالوں کا سفر طے کرتا رہے ایوان کے گھر کا خوشگوار ماحول ہمیشہ معطر فضاؤں سے ہم کنار رہے۔

ڈاکٹر شیام سندر

(بصارت نواز۔ ماہرِ امراضِ چشم اور نامور شہری)

بصیرت کی اہمیت سے کون انکار کرسکتا ہے لیکن بصارت نہ ہو تو انسان بے حد لاچار و مجبور ہو جاتا ہے ساری دنیا میں اس کو سوائے اندھیرے کے کچھ اور نظر نہیں آتا۔ بینائی قدرت کا بہت بڑا عطیہ ہے۔ اگر کوئی شخص اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہو جائے تو اس کی زندگی بے کیف ہو کر رہ جاتی ہے۔ کائنات کے حُسن سے محرومی انسان کے لئے مسلسل اذیت رساں ہوتی ہے انسان کو اس کی بصارت دوبارہ عطا کرنے کے لئے قدرت اپنے کرم خاص سے کچھ ایسی شخصیتوں سے کام لیتی ہے جو اللہ کی مرضی کے تابع ہو کر اندھیروں کو روشنی میں بدل دیتے ہیں بینائی عطا کرنے والا تو اللہ ہے لیکن کبھی وہ اپنے خاص بندوں کو بھی اس کا وسیلہ بنا دیتا ہے۔ ایسے ماہرانِ امراض چشم قابلِ مبارک باد ہیں جنھیں خدائے قدوس نے اس اہم انسانی خدمات کے لئے وابستہ کر دیا ہے اور وہ بے شمار

انسانوں کو روشنی کی دولت سے مالا مال کر رہے ہیں۔
ڈاکٹر شیام سندر ایک قابل ترین ماہرِ امراضِ چشم کی حیثیت سے اعلیٰ مرتبت کے حامل ہیں۔ ہزاروں لوگوں کی بصارت کے لئے انہوں نے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں (اور یہ کارِ خیر جاری ہے) ڈاکٹر شیام سندر صاحب انتہائی لائق و فائق ڈاکٹر ہیں۔ کائستھ گھرانے کی ایک نامور شخصیت ہیں نہایت شائستہ، نفیس، پُر وقار اور مہذب انسان ہیں۔
ویسے بھی حیدرآباد میں کائستھ گھرانوں سے تعلق رکھنے والے زیادہ تر اصحاب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہیں۔ سماج میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں سیاسی و غیر سیاسی، اصلاحی و فلاحی، ادبی و تہذیبی۔ کونسا ایسا شعبہ ہوگا جس میں کائستھ گھرانوں کے سپوتوں نے اپنا نام نہ کمایا ہو۔ ڈاکٹر شیام سندر حیدرآبادی تہذیب کے پروردہ ہیں خالص حیدرآبادی مزاج کے حامل ہیں۔ ان کی طبیعت میں حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب کے کچھ ایسے عنصر موجود ہیں جو انھیں معتبر کہلوانے کے لئے بہت کافی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب انتہائی خوش مزاج، تر و تازہ، شگفتہ اور ہنستے بولتے انسان ہیں۔ سوسائٹی کے ایک اہم فرد ہیں معاشرہ انہیں سرآنکھوں پر بٹھاتا ہے وہ ہر محفل میں عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کے برتاؤ میں ان کے ذاتی اوصاف، اقدار و شرافت کے علاوہ ان کے بزرگوں کی اعلیٰ خصوصیات ملتی ہیں ان کا برتاؤ انسانی قدروں کا ترجمان ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب اُردو تہذیب کی نمائندہ شخصیت ہیں۔ اُردو لکھتے پڑھتے اور بولتے ہیں ان کے گھر کے تمام افراد اُردو میں گفتگو کرتے ہیں شفاف آئینہ کی طرح، پاک وصاف لوگوں میں اُن کا شمار ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب کو اُردو زبان سے بہت محبت ہے۔ اپنے مریضوں اور اپنے احباب سے اُردو میں بات کرتے ہیں اُردو زبان اور اُردو روایت ان کا موضوع گفتگو رہتا ہے۔ اُردو تہذیب کو سراہتے ہیں اور اپنے قول و فعل میں یکسانیت رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب سے میری پہلی ملاقات ۱۵ سال پہلے جناب عابد علی خان صاحب کی معرفت "سیاست" آفس میں ہوئی تھی۔ ان دنوں میں سکریٹریٹ میں سکشن آفیسر تھا ڈاکٹر صاحب کی جائیداد جو اُن کے مکان کے آس پاس ہے کچھ مسائل کی وجہ سے محکمہ مال (سکریٹریٹ) میں زیر تصفیہ تھی۔ اس سلسلے میں عابد علی خان صاحب نے مجھے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لئے کہا تھا لیکن ہوا یوں کہ ڈاکٹر صاحب خود "سیاست" تشریف لائے اور مجھے اُس کارروائی کی نوعیت اور اُس کی تفصیلات بتلائیں۔ میں نے اپنے وسائل سے ڈاکٹر صاحب کی اُس کارروائی کو جو محکمہ مال (ریونیو ڈپارٹمنٹ) کی سرخ فیتہ کی نذر ہو چکی تھی ٹھکانے لگا دیئے اور میری کوشش سے ڈاکٹر صاحب کا کام بن گیا۔ کارروائی کے سلسلے میں کبھی کبھی ڈاکٹر صاحب سے اُن کی قیام گاہ پر بھی ملاقات ہوتی تھی۔ پہلے چائے سے تواضع کرتے پھر کام کی بات ہوتی۔ اثنائے گفتگو میں عابد علی خان

صاحب اور محبوب حسین جگر صاحب کی عنایتوں کا تذکرہ کرتے جو اُن کے ساتھ رہا کرتی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کبھی کبھی عابد علی خان صاحب سے ملاقات کے لئے "سیاست" آجاتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب سے جب زیادہ قربت حاصل ہوئی تو ان کے اوصاف حمیدہ عیاں ہونے لگے اخبار سیاست سے وابستہ اسٹاف کے ساتھ انھوں نے ہمیشہ تعاون کیا (اب بھی تعاون کرتے ہیں) اسٹاف میں اگر کسی شخص کی بینائی کا مسئلہ ہو تو جگر صاحب ایک مختصر خط کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب کے پاس متعلقہ شخص کو بھیجواتے تھے ڈاکٹر صاحب اُس شخص کی پوری طرح پذیرائی کرتے۔

این ٹی راما راؤ صاحب کی چیف منسٹری کے زمانے میں کچھ شر پسندوں نے ڈاکٹر صاحب کے دواخانہ میں گھس کر توڑ پھوڑ شروع کردی تھی یہ خبر ملتے ہی جگر صاحب نے مجھے ڈاکٹر صاحب سے ملنے اور سیاست کے لئے رپورٹنگ کرنے کے لئے کہا تھا۔ میں نے یہ خدمت انجام دی۔ سیاست میں تفصیلی خبر شائع ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے میرا شکریہ ادا کیا۔ ڈاکٹر صاحب سے راج بھون کی خصوصی تقاریب میں اکثر دفعہ ملاقات ہوتی رہی ہے۔ ہمیشہ خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں ڈاکٹر شیام سندر اعلیٰ کردار اور اعلیٰ ظرف انسان ہیں۔ اُن کے ہاں امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اپنے مریضوں کی ہمیشہ ہمت بندھاتے ہوئے اتنی دلچسپ باتیں کرتے ہیں کہ ان کی باتوں سے ہی مریض کی آدھی بیماری دُور ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر شیام سندر اردو کے شاعروں اور ادیبوں کی بہت عزت کرتے ہیں اُن کے کلینک میں اردو کے بہترین اشعار خوبصورت فریم کی زینت بنے ہوئے ہیں خاص طور پر بصارت کے موضوع پر اپنے خاص آردو۔ دکنوں کو اشعار دکھلاتے ہیں اردو سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کو ہی نہیں بلکہ غیر اُردوداں اصحاب کو بھی اُردو پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان کی میز کے خانے میں عابد علی خان ایجوکیشنل ٹرسٹ کی جانب سے شائع شدہ کتابیں اُردو دانی، زبان دانی اور انشاء موجود رہتی ہیں یہ کتابیں وہ اُردو زبان سے محبت رکھنے والے مریضوں کے حوالے کرتے ہیں۔ اردو زبان کے خاموش خدمت گذار ہیں۔

جب مجھے اندازہ ہوا کہ میری بصارت کمزور ہو رہی تو پہلے میں ڈاکٹر یوسف حسین صاحب سے رجوع ہوا۔ ڈاکٹر یوسف حسین بھی ڈاکٹر شیام سندر پرشاد کی طرح شاعروں، ادیبوں کے قدرداں ہیں۔ ڈاکٹر یوسف حسین نے میری داہنی آنکھ کا موتیابند آپریشن کیا جس کے لئے انہوں نے فیس نہیں لی۔ اس آپریشن کے ایک سال بعد میری بائیں آنکھ کا آپریشن ڈاکٹر شیام سندر پرشاد نے کیا۔ ڈاکٹر شیام سندر صاحب نے بھی اس آپریشن کی کوئی فیس نہیں لی۔ خصوصی لینس جو وہ امریکہ سے لائے تھے جس کی مجھے ضرورت تھی مجھے عنایت کر دیئے۔ (اس کی بھی کوئی قیمت نہیں لی) ڈاکٹر صاحب کا فراخ دلانہ سلوک دیگر شاعروں، ادیبوں کے ساتھ بھی رہتا ہے لیکن تھوڑے سے فرق کے ساتھ۔

دنیا کا کوئی ایسا ملک نہیں ہوگا جہاں ڈاکٹر صاحب نے قدم نہ رکھے ہوں۔ اہم اہم سیمیناروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں بڑے بڑے ایوارڈز حاصل کر چکے ہیں حیدرآباد میں ایک بڑے ایوارڈ فنکشن "انیکتا میں ایکتا" کے سلسلے میں مجھے یہ اعزاز حاصل رہا کہ میں ڈاکٹر صاحب کا اسم گرامی بھی ایوارڈ یافتہ گان کی فہرست میں شامل کرواسکا۔ ۱۹۹۵ء میں رویندرا بھارتی تھیٹر میں عظیم الشان پیمانے پر ایوارڈ تقریب منعقد کی گئی تھی۔ گورنر سکم جناب شیو شنکر کے ہاتھوں انعامات کی تقسیم عمل میں آئی۔ جناب مشتاق حسینی اس اسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری تھے شہر کی نامور ادبی، علمی و تہذیبی شخصیتوں کا انتخاب میرے ذمہ تھا ایوارڈ یافتہ گان میں ڈاکٹر شیام سندر کے علاوہ نواب شاہ عالم خان، ہاشم علی اختر، ڈاکٹر سید عبدالمنان، فلم اسٹار راجیت، محبوب حسین جگر، ڈاکٹر وزارت رسول خان، غلام احمد، رہنما چاری (آئی اے ایس) جیسی نامور شخصیتیں شامل تھیں۔ اس ایوارڈ تقریب سے دو سال پہلے (۱۹۹۳ء) میں بھی رویندرا بھارتی تھیٹر میں شہر کی ممتاز شخصیتوں کو "انیکتا میں ایکتا" ایوارڈ دیا گیا تھا ممتاز شخصیتوں کا انتخاب اُس وقت بھی میرے ہی ذمہ تھا جناب عابد علی خان ڈاکٹر سی نارائن ریڈی، جسٹس سردار علی خان، ایم باگا ریڈی اور دیگر شخصیتیں انعام یافتگان میں شامل تھیں خاص طور پر شہر کے ۱۴ نمائندہ شاعروں و ادیبوں ڈاکٹر علی احمد جلیلی، رئیس اختر، ناصر کرنولی، نہپال سنگھ ورما ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید، ڈاکٹر مصطفیٰ کمال، حمایت اللہ، مومن خان شوق

پروفیسر حبیب ضیاء، صالحہ الطاف، عزیز النساء صبا، مظفر النساء ناز، (صدر نشین اسوسی ایشن نے میرا نام بھی ایوارڈ یافتگان میں شامل کیا تھا) کو بھی ان تقاریب میں ایوارڈ دیا گیا۔ وہ ایوارڈ ڈاکٹر صاحب کے کلینک میں موجود ہے ڈاکٹر شیام سندر کا مریضوں کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک ہوتا ہے ہر مریض سے یہ کہتے رہتے ہیں کہ کوئی پرہیز نہیں ہے جاؤ سبزیاں کھاؤ پیو ڈاکٹر صاحب کا خاص جملہ ہے ڈاکٹر صاحب کے دلاسہ دینے سے مریض بے حد خوش ہو جاتا ہے ہر روز بیسیوں مریضوں کا معائنہ کرتے ہیں۔ دوپہر میں ۲ بجے سے ۸ بجے شب تک مسلسل خدمت خلق میں مصروف رہتے ہیں ڈاکٹر صاحب کو شعر و شاعری سے بھی بے حد دلچسپی ہے ادبی ٹرسٹ، شنکر جی میموریل سوسائٹی کے کل ہند مشاعروں میں اشتیاق کے ساتھ شرکت کرتے ہیں جناب عابد علی خان صاحب کے دولت خانہ پر جتنی بھی ادبی و تہذیبی محفلیں ہوتی تھیں خاص مدعوئین میں ڈاکٹر صاحب بھی شامل رہتے تھے سیاست اخبار سے ان کا بہت قدیم رشتہ ہے ڈاکٹر صاحب حیدرآباد کی تہذیبی قدروں کا ذکر کرتے رہتے ہیں جو لوگ اپنے ورثے کا تحفظ نہیں کرسکتے وہ مہذب انسان کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے۔

خدا کرے کہ ڈاکٹر صاحب جیسے لوگ ہمارے شہر میں ہمیشہ موجود رہیں تاکہ انہیں دیکھ کر ان سے گفتگو کرکے نئی نسل اپنے بزرگوں کی قابل قدر روایات کو یاد رکھ سکے۔

خدا ان کی حفاظت کرے اور ان کی مقبولیت میں آئے دن اضافہ ہوتا رہے۔

ڈاکٹر وزارت رسول خان

(ذہین و فطین، باصلاحیت۔ ماہر تعلیم)

اپنے ہم عصروں میں ایک ذہین، باصلاحیت، ماہر تعلیم کی حیثیت سے چیف پروموٹر شاداں کالج آف ایجوکیشنل سوسائٹی ڈاکٹر وزارت رسول خان نے جتنی شہرت حاصل کی ہے ایسی مثال بہت کم ملتی ہے۔ شاداں کالج آف ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیر اہتمام جاری تعلیمی سرگرمیوں کو آسمان کی بلندیوں تک لے جانے کا سہرا صرف اور صرف ڈاکٹر وزارت رسول خان کے سر جاتا ہے میں شاداں کالج آف ایجوکیشنل سوسائٹی کے سلسلے میں اپنی معلومات کی بنا پر یہ کہتے کے موقف میں ہوں کہ مجھے صرف ڈاکٹر وزارت رسول خان ہی ایک ایسے شخص دکھائی دیتے ہیں جو اتنے بڑے قافلے کے تنہا سالار قافلہ بنے ہوئے ہیں یہ مانا کہ ہر کارواں کا میر کارواں ایک ہی شخص ہوتا ہے لیکن وہ کچھ ایسے مشیروں سے بھی تعاون حاصل کرتا رہتا ہے جو نہ صرف اس

کے ہم خیال ہوتے ہیں بلکہ اس کے لئے بہترین معاون ثابت ہوتے ہیں۔ میں واقف ہوں کہ کالج کے قیام سے قبل ڈاکٹر وزارت رسول خان کو تعلیمی میدان میں سرگرم عمل رہنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا لیکن وقت نے انہیں سب کچھ سکھا دیا ہے وزارت رسول خان نے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹری کی بجائے بزنس میں دلچسپی لینی شروع کی۔ بہ قول عظمت عبدالقیوم (جو میری منہ بولی بہن تھیں) اگرچہ ڈاکٹر صاحب کو زراعت کرنے کا شوق تھا لیکن پٹرول پمپس کے کاروبار میں انہوں نے ترقی بہت کی۔ انہیں جب سیاست سے دلچسپی ہوئی تو وہ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین سے وابستہ ہوئے اور ایک دن ایم ایل اے بن گئے اپنے ایم ایل کے دور میں مسلم اقلیتوں کے لئے خاص طور پر کئی کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کا سب سے بڑا کارنامہ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے زیر اہتمام میڈیکل کالج کا قیام ہے ڈاکٹر صاحب نے جب کالج کی اجازت حاصل کی تو ان دنوں جناب سلطان صلاح الدین اویسی جیل میں تھے اس وقت کے چیف منسٹر مسٹر بھاسکر راؤ اور وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ جناب سید ہاشم علی اختر کے تعاون اور ان دونوں کی شخصی دلچسپی سے میڈیکل کالج کے قیام کی اجازت مل گئی۔ لیکن کالج کے قیام کے سلسلے میں بطور ڈپازٹ بھاری رقم کا انتظام ایک اہم مسئلہ تھا غالباً ۶ کروڑ روپیوں کی ضرورت تھی اس وقت کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو اتنی خطیر رقم کا

انتظام کر سکے۔ ایسے نازک حالات میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے پیٹرول پمپس اور دیگر وسائل کے ذریعہ مختلف بنکس سے مطلوبہ رقم کا انتظام کیا ڈپازٹ کی رقم کے انتظام کے بعد کالج کام کرنے لگا۔ میڈیکل کالج کے قیام کے سلسلے میں ایک عظیم الشان جلسہ احاطۂ دارالسلام میں منعقد ہوا تھا اس جلسے میں ڈاکٹر وزارت رسول خان کو زبردست خراج پیش کیا گیا مختلف مقررین نے ڈاکٹر صاحب کی تعریف و توصیف میں حوصلہ افزاء تقریریں کیں۔ نامور شاعرہ محترمہ عظمت عبدالقیوم (خویش دامن ڈاکٹر وزارت رسول خان) نے ڈاکٹر صاحب کے لئے ایک پُراثر تہنیتی نظم کہی تھی وہ نظم میں نے عظمت عبدالقیوم کی خواہش پر ترنم سے سُنائی تھی نظم بہت اچھی تھی کافی پسند کی گئی۔ کچھ دنوں بعد ڈاکٹر صاحب کا مجلس اتحاد المسلمین سے تعلق ختم ہو گیا اُن دنوں ڈاکٹر صاحب بے حد افسردہ خاطر تھے ڈاکٹر صاحب اُس وقت اپنے مستقبل کے دوراہے پر کھڑے ہوئے تھے انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ ایسے غیر یقینی حالات میں عظمت عبدالقیوم نے ڈاکٹر صاحب کو بہت بڑا سہارا دیا۔ اُن کی ہمت بندھائی اور انہیں مشورہ دیا کہ تم سیاست کا میدان چھوڑ کر تعلیمی میدان میں قدم رکھو۔ میں تمھاری مدد کروں گی تمھارا ساتھ دوں گی مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور مشورہ دیا کہ مسلم لڑکیوں کے لئے کالج قائم کرو جس کے لئے میں اپنی عمارت جو

نرمل انڈسٹری کے نام سے مشہور ہے دے دوں گی عظمت عبدالقیوم نے
عمارت کے تمام کاغذات ڈاکٹر وزارت رسول خان کے حوالے کر دیئے۔
بڑی مشکل سے عمارت تخلیہ کروایا گیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کو بہت
سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا ڈاکٹر صاحب نے کالج کی عمارت کا
نقشہ تیار کیا اور نقشہ کے مطابق تعمیر شروع ہوئی۔ میں جب بھی ڈاکٹر
صاحب سے ملتا بلڈنگ کا نقشہ اور اپنے منصوبوں سے متعلق بتلایا
کرتے تھے ڈاکٹر صاحب سے میری ایک ملاقات کے موقع پر عظمت عبدالقیوم
نے ان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا تھا کہ تم کام شروع کر دو اللہ تمہاری
مدد کرے گا ہر نئے کام کے آغاز پر دشواریاں رہتی ہیں لیکن ہمیشہ
نہیں رہتیں۔ لنچ کا وقت تھا رئیس اختر بھی میرے ساتھ تھے ہم سبھوں
نے مل کر لنچ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے آئندہ ہونے والی بہت سے اور
منصوبوں کے بارے میں مجھے واقف کرایا۔ ڈاکٹر صاحب نے سب سے
پہلے لڑکیوں کے لئے بی ایڈ کالج کی اجازت حاصل کی۔ اساتذہ کے تقرر
کے انٹرویو کے وقت میں عظمت عبدالقیوم صاحبہ کے ساتھ ان کے
روم میں بیٹھا رہا اس وقت کے رجسٹرار عثمانیہ یونیورسٹی مسٹر ملا ریڈی
بھی انٹرویو کے موقع پر موجود تھے اساتذہ کے تقرر کے ساتھ ہی تعلیم کا
آغاز ہوا۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے لڑکیوں کے لئے جونیر کالج کی اجازت
حاصل کی ترقی کی ایک اور منزل طے کرتے ہوئے لڑکیوں کے لئے ڈگری کالج

کا آغاز کیا گیا اسی طرح ان برسوں میں شاید ہی کوئی ایسا تعلیمی کورس ہوگا
جو شروع نہ کیا گیا ہو حالیہ عرصہ میں عصری تعلیم کی ضرورت کے پیش نظر
شاداں انجینئرنگ کالج اور کچھ اور فنی ادارے قائم کئے۔ اب کمی ہے تو
صرف میڈیکل کالج کی۔ جس کے لئے ڈاکٹر صاحب شبانہ روز کوشش
کر رہے ہیں توقع ہے کہ میڈیکل کالج کے قیام کی بھی اجازت مل جائے
گی۔ کالج کا انتظامیہ مثالی ہے کالج تمام عصری ضروریات سے لیس ہے
بہترین و تجربہ کار اساتذہ کی خدمات حاصل ہیں ڈاکٹر صاحب کی شریک
حیات شاداں تہنیت کرسپانڈنٹ سکریٹری ہیں جو نہایت عمدگی کے
ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو نبھا رہی ہیں عصمت عبدالقیوم اس سوسائٹی
کی بھی صدر نشین تھیں ان کے انتقال کے بعد غلام احمد خاں صدر رہے
اور اب کریم اللہ خان صاحب صدر ہیں اس طرح ایک سیاسی قائد اور سابق
ایم ایل اے کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو چکا ہے شہر کی معیاری درسگاہ
کی حیثیت سے ساری ریاست میں شاداں کالج اپنا منفرد مقام رکھتا
ہے بانی شاداں کالج عظمت عبدالقیوم کا ایک اہم کارنامہ محفل خواتین کا
قیام بھی ہے جس کے ذریعہ اردو زبان و ادب کی خدمت انجام دی جا رہی
ہے یہ ایک باوقار ادارہ ہے جس کو قائم ہوئے ۳۰ برس ہو چکے ہیں
اس ادارہ سے صرف خواتین اہل قلم وابستہ ہیں شریمتی روڈا مستری
قیام انجمن سے ہی اس کی سرپرست اعلیٰ ہیں نامور شاعرہ محترمہ

عزیز النساء صبا معتمد عمومی کے فرائض انجام دے رہی ہیں اور ممتاز شاعرہ مظفر النساء ناز شریک معتمد ہیں عظمت عبدالقیوم نے اپنی بے حد چہیتی بیٹی شاداں تہنیت کی عمر بھر کی رفاقت کے لئے ڈاکٹر وزارت رسول خان کا انتخاب کیا۔ جن کی ازدواجی زندگی نہایت خوشگوار انداز سے گذر رہی ہے شاداں تہنیت سکریٹری شاداں کالج کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو نہایت عمدگی سے انجام دے رہی ہیں شادی سے پہلے شاداں عظمت عبدالقیوم کے ساتھ خاص خاص مشاعروں میں شرکت کرتی تھیں خاص طور پر ادارۂ ادبیات اردو' انجمن ترقی اردو کے مشاعروں میں عظمت عبدالقیوم کے ساتھ رہتیں تھیں عظمت عبدالقیوم اپنے دولت خانہ پر بھی کبھی کبھی مشاعروں کا اہتمام کرتی تھیں شاداں اپنی والدہ کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ میزبانی کے فرائض سے خوب واقف تھیں۔ عظمت آپا کی رہائش گاہ میں منعقدہ مشاعروں کے سامعین میں ان کے افرادِ خاندان کے علاوہ ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید' عزیز النساء صبا' انجم قمر سوز' مظفر النساء ناز مدعو رہتے تھے شاعروں میں میرے علاوہ سعید شہیدی' کنول پرشاد کنول' امیر احمد خسرو' خیرات ندیم اور رئیس اختر رہا کرتے تھے عظمت عبدالقیوم کا میں ایک بڑی بہن کی طرح بے حد احترام کرتا تھا شاداں کو عزیز رکھتا تھا عظمت آپا اپنے گھر کے مشاعروں میں اپنا کلام اکثر دفعہ امیر احمد خسرو یا مجھ سے ترنم کے ساتھ سنواتی تھیں میں

اپنی غزل بھی ترنم میں سناتا تھا عظمت عبدالقیوم کبھی کبھی مجھے بزم منظفر النساء ناز کو پیچ پر مدعو کیا کرتی تھیں خاص طور پر ان دنوں جب محفل خواتین کی سالانہ تقاریب کی سرگرمیاں جاری رہتیں اور محفل خواتین کے ادبی سووینیر کی ترتیب و تزئین کے لئے مشاورت درکار ہوتی۔ شاداں چھوٹی بہن کی طرح میری پذیرائی کرتی تھی شاداں کو میرا ترنم بہت پسند تھا عظمت عبدالقیوم کہتی تھیں کہ ہماری بیٹی کو ہمارا کلام تو پسند آتا ہی نہیں بس نیر بھائی کے کلام کی ہی تعریف کرتی رہتی ہے شاداں مجھ سے کہتی نیر بھائی آپ کا ترنم بہت اچھا ہے جب کبھی آپ اپنی غزل سناتے ہیں تو مجھے اچھا لگتا ہے بہت متاثر ہوتی ہوں اس طرح ایک بہن اپنے بھائی کو خراج پیش کرتی تھی۔ کالج کے معاملات میں کسی بھی قسم کی سفارش کی بات ہو تو شاداں میری سفارش کو اہمیت دیتی ہیں بھائی بہن کا اٹوٹ رشتہ تو لے ہے وقار کے ساتھ آج بھی برقرار ہے عظمت عبدالقیوم کے انتقال کے بعد ان کی دوسری کتاب عظمت خیاباں کی اشاعت کے وقت شاداں نے مرحومہ کی تحریروں کا ایک ایک ورق میرے حوالے کیا تھا عظمت عبدالقیوم کا انتقال ۲۱ مئی ۱۹۸۸ء کو ہوا۔ گذشتہ گیارہ سال سے ان کی یاد میں سالانہ ادبی تقریب ڈاکٹر وزارت رسول خان کی رہائش گاہ شاہ منزل واقع ہمایوں نگر میں ہوا کرتی ہے پہلے کالج کے آڈیٹوریم میں ہوتی تھیں جس میں شہر کی

منتخب شخصیتوں کو مدعو کیا جاتا ہے ادارۂ میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے رئیس اختر ناظم ادبی اجلاس اور مومن خان شوق معتمد مشاعرہ رہتے ہیں ادارہ سے وابستہ شعراء کلام سناتے ہیں ڈاکٹر وزارت رسول خان عظمت عبدالقیوم کے احسان مند ہیں اپنی تقریر کے دوران کھل کر عظمت عبدالقیوم کو خراج پیش کرتے ہیں اس موقع پر ڈاکٹر صاحب انتہائی جذباتی انداز میں مخاطب کرتے عظمت عبدالقیوم کو مما کہہ کر مخاطب کرتے ہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ میری والدہ کی خوش دامن (عظمت عبدالقیوم) بہت اچھی دوست تھیں عظمت عبدالقیوم کے شوہر محترم عبدالقیوم کی شخصیت بھی قابل احترام تھی وہ ڈاکٹر صاحب کو بہت چاہتے اور شادال کے لئے تو ان کی محبت کا کیا کہنا۔ ڈاکٹر صاحب شروع شروع میں تقریر سے گریز کرتے تھے ان کی اُردو اتنی اچھی نہیں تھی عظمت عبدالقیوم ہمیشہ ان کا حوصلہ بڑھاتیں کہ تم جب سیاست میں داخل ہو چکے ہو تو تمہیں اپنا مافی الضمیر ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے ٹوٹی پھوٹی اُردو میں ہی سہی اپنے خیالات کا اظہار کرو۔ آج ڈاکٹر صاحب کی تقریر سننے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک شعلہ بیان مقرر ہیں۔ سیاسی موضوع ہو کہ تعلیمی موضوع بے تکان بولتے ہیں کالج کے قیام اور دیگر مسائل کے سلسلے میں شخصی طور پر دلچسپی لے کر کارروائی کی یکسوئی کراتے ہیں اور کامیاب رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا ہر عمل شائستگی کا مظہر ہوتا

ہے وہ انتہائی مخلص، باہمت اور باکردار انسان ہیں کالج کے مختلف مسائل پر انہیں حکومت کے بڑے بڑے عہدہ داروں کے علاوہ مختلف وزراء سے بھی اپنی بات منوانے کا سلیقہ ہے ان کا حوصلہ ہی تو ہے جو ان کی بے پایاں کامیابی کا ضامن ہے وہ حکومت کے سربراہوں سے اس بات پر لڑتے رہے ہیں کہ دستور میں جو اقلیتوں کو مراعات دی گئی ہیں اُس حق سے ہمیں استفادہ کا پورا پورا موقع ملنا چاہیئے آج شاداں کالج ریاست کے تمام اقلیتی تعلیمی اداروں میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے معیار اور نتائج کے اعتبار سے بھی۔

جب میں یہ مضمون ختم کر رہا ہوں تو یوں محسوس ہو رہا ہے کہ میرے بالکل سامنے عظمت آپا بیٹھی ہوئی ہیں دائیں اور بائیں ڈاکٹر صاحب اور شاداں بیٹھے ہوئے ہیں اور میں اپنے آپ پر فخر محسوس کر رہا ہوں کہ خدا نے مجھے کیسی کیسی باصلاحیت شخصیتوں کے درمیان اپنی پہچان کو باقی رکھنے کا موقع عطا فرمایا۔ میں عظمت آپا کی شفقتوں اور ان کی محبتوں کو کبھی بھلا نہیں سکتا۔ میری نظر میں وہ شہر کی اعلیٰ ترین مرتبہ کی حامل مہذب خاتون تھیں ہم دونوں بھائی بہن کا رشتہ ان کی حیات تک یعنی ۲۸ برس تک نہایت خوشگوار انداز میں باقی رہا۔ ڈاکٹر صاحب سے میرے گہرے مراسم ہیں وہ انتہائی خلوص کے ساتھ مجھ سے بات کرتے ہوئے! اپنے پن کا بھرپور احساس دلاتے ہیں اب رہی شاداں کی بات تو اُس کا

شمار نو اُن شگفتہ، نکھری ستھری دل میں گھر کرنے والی بہن کی طرح ہے جو
ہمیشہ اپنی شرافت و محبت اور اپنے لیے پایاں خلوص سے ہمارے رشتے
کو مہکاتی رہتی ہے خدا سے میری یہی دُعا ہے کہ ڈاکٹر وزارت رسولی خان
اورشاداں بھی اُن شخصیتوں کی طرح تاحیات مہکتے رہیں جن کی زندگی
کا ایک ایک لمحہ اپنے چاہنے اور چاہے جانے والوں کے لئے ایک ایسی
سوغات بنے جس کا کوئی بدل ممکن نہیں ۔

شریمتی رو ڈامستری

(حیدرآبادی تہذیب کی نمائندہ باوقار خاتون)

حیدرآباد کی مردم خیز سرزمین کا دامن ہر دور میں مختلف النوع پھولوں سے مہکتا رہا ہے دل و دماغ کو معطر کرنے والی ہر قسم کی فضاؤں سے مالا مال رہا ہے۔ حالات کبھی ایک طرح کے نہیں رہتے، بدلتے رہتے ہیں نت نئے موسم اپنے خدوخال کے ساتھ اپنا منصب ادا کرتے رہتے۔ اپنے فرائض کی تکمیل کرتے رہے لیکن خوشگوار اور ذہن و فکر کو روشنی عطا کرنے والا ماحول ایک روشن لکیر کی طرح آج بھی برقرار ہے۔ اگرچہ کل کی طرح آج بھی ہمارا معاشرہ مختلف مسائل میں گھرا ہوا ہے کبھی مشکل اور آسان لمحوں کے امتزاج سے بھی کئی بند دروازے کھل چکے ہیں اندھیرے اجالوں میں بدل گئے ہیں الجھن پیدا کرنے والی کشمکش اور غیر متوقع حالات کا سیلاب آتا رہا۔ جاتا رہا۔ پھر بھی یہاں کے شب و روز ہر قسم کی گرمی و سردی، نرمی و سختی کو برداشت کرتے رہے۔ ہر ایک قدم پر ہونی اور ان ہونی کیفیات سے گذرتے رہے لیکن استقلال کا دامن کبھی نہیں چھوٹا۔ ہر زمانہ امتحانی زمانہ رہتا ہے۔ ہر

دور ہیں کامیابی و ناکامیابی کے راستوں سے انسان گذرتا رہتا ہے
حوصلہ و پامردی، ہمت و جرأت اور عزمِ محکم، انسان کی شخصیت
کی نشو و نما میں نمایاں رول ادا کرتے رہے ہیں۔ معاشرہ کے لوگ
جن کی ساری زندگی خدمتِ خلق کے لئے وقف ہو چکی ہے کم کم دکھائی
دیتے ہیں۔ لیکن حیدرآباد کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں ایسی ناقابل
فراموش شخصیتیں رہی ہیں (اب بھی ہیں) جن پر ہمیشہ فخر محسوس
کیا جاتا رہے گا زندگی میں پیش آنے والے بڑے بڑے اور ناقابلِ
فراموش کارناموں کو سر کرنے میں صرف مردوں ہی نے حصہ نہیں لیا
بلکہ یہاں بعض ایسی خواتین بھی رہی ہیں جنہیں ہمیشہ یاد کیا جائے گا
ان تمام خصوصیات کی حامل ہمارے شہرِ رواداری میں ایک ایسی شخصیت
بھی ہے جو ہمارے معاشرہ میں صفِ اول کی خاتون سمجھی جاتی ہیں
اور وہ شریمتی روڈا مستری ہیں شریمتی روڈا مستری کی سیاسی، سماجی
فلاحی، تہذیبی و اصلاحی خدمات کی ایک طویل فہرست ہے جو گزشتہ
۵۰ برسوں پر محیط ہے۔

شریمتی روڈا مستری پارسی مذہب کی ایک نمائندہ خاتون ہونے
کے علاوہ ہمارے معاشرہ کی صاحبِ حیثیت، بلند مرتبت، اعلیٰ قدر و
قیمت کی حامل مہذب خاتون ہیں۔ شریمتی روڈا مستری نے ملکی سیاست
میں بھی بڑا نام کمایا ہے کانگریس پارٹی سے وابستہ ہیں۔ ریاستی وزیر
ہونے کے علاوہ رکن پارلیمنٹ رہ چکی ہیں۔ اپنی سیاسی زندگی میں حکومت

کی مختلف کمیٹیوں میں شامل رہتے ہوئے عوام کی غیر معمولی خدمات
انجام دیں۔ ان کا ایک اہم کارنامہ انڈین کونسل آف سوشیل ورک
ہے جس کی وہ صدر ہیں اس کے علاوہ شیورام پلی میں واقع آرام گھر جو
نواب مہدی نواز جنگ کے زمانے میں بیت المعذورین کے نام سے
کام کرتا تھا آج شریمتی رُوڈا مستری کی نگرانی اور سرپرستی میں روز افزوں
ترقی کرتا جارہا ہے ان کی ذاتی کوششوں سے ۱۹۶۶ء میں قائم کردہ
کالج آف سوشیل ورک ترقی کرتے کرتے آج ایک ریسرچ سنٹر بن چکا
ہے۔ سالِ گذشتہ حکومت آندھرا پردیش اور عثمانیہ یونیورسٹی نے
کالج کو روڈا مستری کالج آف سوشیل ورک اینڈ ریسرچ سنٹر کے نام سے موسوم کرنے
کی تجویز قبول کرلی ہے یہ ایک طرح کی ان کی خدمات کا بہت بڑا اعتراف
ہے اس سلسلہ میں بڑے پیمانہ پر جوبلی ہال میں ایک تہنیتی تقریب
منعقد ہوئی تھی جس میں گورنر آندھرا پردیش اور ان کی اہلیہ نے مہمانِ
خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ ممتاز دانشور جناب ہاشم حسن سعید
(سابق پرنسپل کالج آف لنگویجس) تہنیتی تقریب کے کنوینر تھے
شریمتی روڈا مستری کا ایک اور اہم کارنامہ محفلِ خواتین سے ان کی وابستگی
ہے محفلِ خواتین کے قیام سنہ ۱۹۷۱ء سے ہی وہ اس کی سرپرستِ اعلیٰ ہیں
جن کے احسانات کی ایک طویل داستان ہے۔ محفلِ خواتین کے استحکام میں
بانیٔ محفلِ خواتین محترمہ عظمت عبدالقیوم اور دیگر خاتون شاعروں
اور ادیبوں کے ساتھ ساتھ شریمتی روڈا مستری نے بھی نمایاں خدمات

انجام دی ہیں ۔ روڈا مستری کی سرپرستی آج بھی باقی ہے محفلِ خواتین کے مشیر کی حیثیت سے یہ بات میں پوری ذمہ داری کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ شریمتی روڈا مستری نے محفلِ خواتین کا قدم قدم پر ساتھ دیا ۔ ان کی مہربانی سے گذشتہ ۲۹ برس سے محفلِ خواتین کے ماہانہ جلسے I.C.S.W کے میٹنگ ہال میں منعقد ہو رہے ہیں یہ ہال بغیر کسی کرایہ کے دیا جاتا ہے محفلِ خواتین کی آمدنی و خرچ کے تمام حسابات شریمتی روڈا مستری کی زیرِ نگرانی طے پاتے ہیں ۔ نہایت ہی پاک و صاف ماحول میں محفلِ خواتین کی خدمات انجام دے رہی ہیں ۔ شریمتی روڈا مستری نہ تو اردو کی شاعرہ ہیں اور نہ ہی ادیبہ لیکن انہیں اردو زبان اور اردو تہذیب کی محبت نے کچھ اس طرح باندھ رکھا ہے کہ وہ بندھے رہنے میں فرحت محسوس کرتی ہیں ان کی نگرانی میں منعقدہ محفلِ خواتین کی بعض سالانہ تقاریب دستاویزی حیثیت کی حامل ہیں شریمتی روڈا مستری کو انسانی رشتوں اور تہذیبی اقدار سے غیر معمولی وابستگی ہے نواب مہدی نواز جنگ کا وہ بے حد احترام کرتی رہیں ۔ نواب صاحب کی سرپرستی میں روڈا مستری صاحبہ نے اپنے فلاحی کاموں کا سفر جاری رکھا ۔ نواب صاحب ان کے آئیڈیل رہے ہیں نواب صاحب کی انسانی و فلاحی خدمات نے انہیں بے حد متاثر کیا ہے I.C.S.W آندھرا پردیش نواب صاحب کی کوششوں کی مرہونِ منت ہے نواب صاحب انڈین کونسل آف سوشیل ورک کے بانیوں میں سے ہیں ۔ انہوں نے اس اہم کام کی ذمہ داری پورے اعتماد کے ساتھ شریمتی روڈا مستری کو سونپی ۔ وہ آج

پوری آب و تاب کے ساتھ اپنی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

محفلِ خواتین سے میری وابستگی کے سبب شریمتی روڈا مستری سے مجھے اکثر و بیشتر اوقات میں ملاقات کا موقع ملتا رہا ہے۔ محفل خواتین کی ہر تقریب میں شریمتی روڈا مستری کی مشاورت کو دخل رہتا ہے محفلِ خواتین حیدر آباد کی شاعرات اور ادیبوں کی ایک ایسی انجمن ہے جس کی مثال ہندوستان کی کسی ریاست میں نہیں ملتی۔ یہ اعزاز صرف اور صرف حیدر آباد کو حاصل ہے انجن کی ماہانہ محفلوں میں صرف مدعو خواتین ہی شرکت کرتی ہیں البتہ سالانہ تہذیبی پروگرام ملے جلے ہوا کرتے ہیں روڈا مستری حیدر آباد کی ایک ایسی مہذب خاتون ہیں جن کا ہر سوسائٹی میں پرتپاک خیر مقدم کیا جاتا ہے پُر وقار خاتون کی حیثیت سے اعلیٰ سوسائٹی میں ان کا ایک اہم مقام ہے اردو زبان اور اردو تہذیب سے انہیں بےحد دلبستگی ہے وہ اردو زبان میں بات کرتی ہیں البتہ بعض سرکاری و غیر سرکاری محفلوں میں اُن کو انگریزی میں تقریر کرنی پڑتی ہے شریمتی روڈا مستری کا لب و لہجہ شائستہ اور دل و دماغ کو مہکانے والا ہوتا ہے حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب کی بھر پور نمائندگی کرتی ہیں تمام مذاہب کا احترام کرتی ہیں میرا مشاہدہ ہے کہ اگر کسی میٹنگ کے وقت اذان کی آواز سنائی دیتی ہے تو اپنے سر پر ساڑھی کا پلو ڈال لیتی ہیں۔ پابندی کے ساتھ حضرت خواجہ معین الدین چشتی (اجمیر شریف) کی سالانہ عرس شریف تقاریب کے موقع پر نذر روانہ کرتی ہیں۔ ہر سال نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ گیارہویں

شریف کا اہتمام کرتی ہیں ۔ مذہب اسلام کی خوبیوں کو اپنے دل و دماغ میں جذب کر چکی ہیں بے حد متحرک، فعال شخصیت کا نام شریمتی رُوڈا مستری ہے ۔ معاشرہ کا ہر وہ شخص جو مہذب سوسائٹی کو دل و جان سے چاہتا ہے وہ شریمتی رُوڈا مستری کی اعلیٰ قدر خدمات کا معترف ہے جہاں انہوں نے ایک وزیر اور رکن پارلیمنٹ کی حیثیت سے بے مثال خدمات انجام دیں وہیں عوامی و فلاحی خدمات کے لئے بھی اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے رُوڈا مستری ایک ایسا روشن نام ہے جس کی چمک حیدرآباد کی خاص طور پر تہذیبی و ثقافتی تاریخ میں باقی رہے گی اچھے برے موسم آتے جاتے رہیں گے لیکن ایسے لوگ جو اپنی خدمات کی وجہ سے تاریخ کا ایک حصہ بن چکے ہیں وہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے ان کا شمار بھی ایسی ہی نامور شخصیتوں میں ہوتا ہے شریمتی رُوڈا مستری شہر کی نمائندہ خاتون ہیں اس لئے سوسائٹی کی ہر اہم شخصیت ان کے کارناموں سے واقف ہے عوام بھی انہیں قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں ۔ رُوڈا مستری کو حیدرآباد ہمیشہ یاد رکھے گا ان کا اندازِ گفتگو نہایت شستہ و شگفتہ ہوتا ہے بھاری آواز میں گفتگو کرتی ہیں لیکن ان کے لب و لہجہ میں مہکتے ہوئے پھولوں کی خوشبو رہتی ہے وہ اپنی ذات اور اپنی خدمات کی وجہ سے ہمیشہ خوشگوار ماحول کا خیر مقدم کرتی ہیں ۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کی بقیہ زندگی کا مقصد صرف اور صرف خدمتِ خلق ہے اور کچھ نہیں ۔

ڈاکٹر موہن لعل نگم

(سالار جنگ میوزیم کے تزئین کار۔ شاعر و ادیب)

ہمارے معاشرہ میں بہت سے ایسے لوگ بھی ملیں گے جو اپنے حقیقی وطن کی طرح ہی اپنے وطنِ ثانی سے بھی محبت رکھتے ہیں۔ گنگا جمنی تہذیب کا مثالی شہر حیدرآباد اس طرح کے واقعات کی جیتی جاگتی مثال ہے بے شمار ایسی شخصیتیں جن کا تعلق ملک کی دیگر ریاستوں سے ہے جب وہ بسلسلۂ تلاشِ معاش حیدرآباد آتی ہیں تو یہیں کی ہو کر رہ جاتی ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت بھی پچھلے وقتوں کی طرح ' حیدرآباد ' ملک کی تمام ریاستوں کے مقابلے میں پُر سکون ' محبت نواز اور امن پسند شہر ہے ۔ میں بعض ایسے اعلیٰ عہدہ داران سکریٹیریٹ (آئی اے ایس) کو بھی جانتا ہوں جن کا تعلق اتر پردیش ' بہار اور ملک کے مختلف صوبوں سے ہے اور جنھوں نے حیدرآباد کو اپنا وطنِ ثانی بنا لیا ہے۔ حیدرآباد کو وطنِ ثانی بنانا جہاں اُن کی ضرورت ہے وہیں

اُن کی دلی خواہش بھی رہی۔ اُنہیں یہاں کا موسم، یہاں کے لوگ، یہاں کی آب و ہوا کچھ اتنی پسند رہی کہ وہ اسی سرزمین سے وابستہ ہو گئے ہیں اور کچھ اس انداز سے رہتے ہیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ کسی اور ریاست کے رہنے والے ہیں۔ ایسی ہی شخصیتوں میں اُردو، ہندی کے نامور شاعر، گنگا جمنی تہذیب کے علمبردار اور بے تعصب شہری ڈاکٹر موہن لعل نگم ہیں۔ ڈاکٹر صاحب یہاں کے لوگوں میں، یہاں کی سوسائٹی میں اس طرح گھُل مل گئے ہیں کہ وہ خالص حیدرآبادی معلوم ہوتے ہیں۔ حیدرآباد میں بہ سلسلہ ملازمت سالار جنگ میوزیم سے وابستہ ہو گئے۔ اور ڈائرکٹر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی ان کی زندگی علمی و ادبی کاموں میں مصروف رہی۔ ڈاکٹر صاحب نے مہدی پٹنم میں مکان بنالیا ہے آرام و سکون کی زندگی گذار رہے ہیں۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ حیدرآباد میں ہر وہ شخص جس کا تعلق بیرونِ حیدرآباد سے ہے اگر اس کے مراسم عابد علی خان صاحب اور اخبارِ سیاست سے رہے ہوں تو اس کا یہاں کے صفِ اول کے شہریوں میں شمار ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب کے عابد علی خان صاحب سے دوستانہ مراسم تھے عابد علی خان صاحب اور موہن لعل نگم نے بعض علمی و ادبی، فلاحی و تہذیبی اداروں میں ایک ساتھ کام کیا ہے ڈاکٹر نگم کا تعلق ادارۂ ادبیاتِ اردو سے بھی ہے یہاں کی علمی و ادبی مصروفیات میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب جشنِ گولکنڈہ

سوسائٹی کے بانی جنرل سکریٹری ہیں یہ اور بات ہے کہ ادھر کچھ عرصہ سے جشن گولکنڈہ سوسائٹی کی سرگرمیاں ماند پڑ گئی ہیں۔ اس سوسائٹی میں شہر کی نمائندہ شخصیتیں نواب شاہ عالم خان صاحب، عابد علی خان صاحب امجد علی خان صاحب، ڈاکٹر داسی نارائن ریڈی، پروفیسر نونیت راؤ، غلام محمد معظم حسین، سید تراب الحسن، ملیقیس علاء الدین وغیرہ شامل ہیں۔ جشن گولکنڈہ سوسائٹی کے صدر نواب شاہ عالم خان صاحب ہیں کارگذار صدر عابد علی خان صاحب تھے۔ میں شریک معتمد ہوں۔ اس سوسائٹی کے زیر اہتمام ڈاکٹر نگم کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے ۸ر اکٹوبر ۱۹۸۹ء کو قلی قطب شاہ اسٹیڈیم میں عظیم الشان پیمانے پر کل ہند مشاعرہ ہوا۔ جس میں ملک بھر کے ۱۸ نامور شاعروں کو مدعو کیا گیا تھا جن میں قابل ذکر یہ شعراء ہیں ڈاکٹر گوپال داس نیرج، بیکل اتساہی، پروفیسر آزاد گلاٹی ڈاکٹر احسن رضوی وغیرہ۔ مشاعرہ کے علاوہ جنوری ۱۹۹۰ء میں رویندرا بھارتی تھیٹر میں سوسائٹی کی جانب سے شب غزل کا اہتمام کیا گیا تھا یہ پروگرام بھی شاندار رہا۔ شب غزل کی صدارت نواب شاہ عالم خان صاحب نے کی تھی ان دونوں پروگراموں کو آئی۔ ٹی۔ سی نے اسپانسر کیا تھا۔ یہ ڈاکٹر نگم کا بہت بڑا کارنامہ ہے لیکن ان دنوں سوسائٹی پر خموشی طاری ہے ہے جسے متحرک کرنے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک ملاقات میں کہا تھا کہ گولکنڈہ سوسائٹی کی سرگرمیوں کا بہت جلد احیاء کیا جائے گا تنظیم جدید کے بعد ہی سوسائٹی سرگرم عمل ہو جائے گی۔ ڈاکٹر نگم اردو/ ہندی کے

ممتاز شاعر ہیں ادبی ٹرسٹ اور شنکر جی کل ہند مشاعروں میں کلام سنا چکے ہیں تحت اللفظ میں کلام سناتے ہیں ڈاکٹر صاحب کی شاعری پُر اثر ہوتی ہے ان کی شاعری دل و دماغ کو معطر کرنے والی شاعری ہے۔ رومانی خیالات کے ساتھ ساتھ سماجی مسائل میں گھرے ہوئے حالات کو بھی اپنی شاعری میں جگہ دیتے ہیں۔ ان دو بڑے مشاعروں کے علاوہ شہر میں وقتاً فوقتاً منعقد ہونے والے اُردو، ہندی مشاعروں میں مدعو رہتے ہیں سالار جنگ میوزیم میں سالار جنگ اول کی سالانہ تقاریب کے سلسلے میں لازماً اُردو ہندی، تلگو کا ملا جلا مشاعرہ منعقد کرتے تھے۔ میوزیم میں میوزیالوجی اور علمی وادبی موضوعات پر بے شمار انٹرنیشنل سیمینار / سمپوزیم منعقد کر چکے ہیں لیکن اس روایت کو آگے بڑھانے میں سالار جنگ میوزیم کے موجودہ انتظامیہ کو کچھ اور دلچسپی لینے کی ضرورت ہے ڈاکٹر صاحب نے اپنی ملازمت کے دوران سالار جنگ میوزیم کی توسیع عمارت کا آغاز کیا تھا کئی عمارتیں بن چکی ہیں جن میں میوزیم کام کر رہا ہے ڈاکٹر صاحب سے ملنے اور سالار جنگ میوزیم دیکھنے کے لئے جب کبھی بیرونِ ریاست و بیرونِ ملک کے شعراء وادباء آتے تو اُن کی خاطر خواہ پذیرائی کی جاتی تھی۔ اُن کے ساتھ وی آئی پی جیسا سلوک کیا جاتا تھا ایسے مواقع پر کبھی کبھی مختصر سی محفلِ شعر بھی منعقد کی جاتی تھی ایسے اکثر مواقع پر ڈاکٹر صاحب مجھے مدعو کیا کرتے تھے ڈاکٹر صاحب جب اپنے منصبِ نظامت پر فائز تھے تو میں کبھی کبھی ملاقات کے سالار جنگ میوزیم جایا کرتا تھا۔ یا کبھی کوئی تازہ کلام کہتے تو وہ مجھے

یاد کرتے تھے غزلیں سناتے اور ضرورت محسوس ہوتی تو مشورۂ سخن کرتے تھے غزلیں سناتے کا ان کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اپنا تازہ کلام سنا کر مطمئن ہونا چاہتے تھے کہ کہیں کوئی فنی غلطی تو نہیں رہ گئی۔ بعض غزلوں کے کچھ مصرعے تصحیح طلب ہوتے تو اسی وقت کلام کی تصحیح ہو جاتی تھی۔ ڈاکٹر نگم صاحب سے میرے مراسم دوستی میں بدل گئے۔ اب بھی ہماری دوستی برقرار ہے جب وہ ڈائرکٹر سالار جنگ میوزیم تھے تو بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ اخبار سیاست کے دفتر کو اگر کوئی بڑی علمی و ادبی شخصیت آجاتی اور وہ سالار جنگ میوزیم دیکھنے کی خواہش کرتی تو عابد علی خان صاحب یا جگر صاحب ڈاکٹر صاحب کو فون کرنے یا مجھے فون کرنے کے لئے کہتے۔ اور ان کے ساتھ وی آئی پی جیسا سلوک کیا جاتا۔ ڈاکٹر صاحب کو عابد علی خان صاحب نے اپنی بہت سی مخصوص دعوتوں میں مدعو کیا ہے عابد علی خان صاحب کی یہ ایک روایت رہی ہے کہ اگر کوئی اہم شخصیت چاہے وہ سیاسی ہو کہ غیر سیاسی یا شاعر و ادیب ہوں انہیں اپنے مراسم کی بنیاد پر عشائیہ پر مدعو کرتے تھے ڈاکٹر صاحب ایسی محفل اور عشائیہ میں شریک رہتے تھے۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ نہپال سنگھ ورما کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ادبی محفلوں میں بھی ضرور شرکت کرتے تھے خاص طور پر گیت چاندنی اور مہندی لیکھک سنگھ کی محفلوں میں۔ ڈاکٹر صاحب کی دوستی ہر ایک کے لئے قابل قدر ہوتی ہے۔ ان کی زندگی میں کسی بھی قسم کا بھید بھاؤ نہیں ہے صاف دل، صاف طبیعت، شناسنہ

اور تہذیب انسان ہیں راج بھون کی محفلوں میں خاص طور پر مدعو رہا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب میوزیالوجی کے موضوع پر کئی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ میوزیالوجی سے متعلق ملک بھر کے سیمناروں میں حصہ لینے کے علاوہ ہندوستان کی قدیم تہذیب خاص طور پر حیدرآباد کی تہذیب پر مشتمل مذاکروں میں شریک رہتے ہیں بیگم صاحب بڑے دبدبے کے ساتھ سالار جنگ میوزیم کی نظامت پر فائز رہے اور وہ مستقل مزاجی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے۔ سالار جنگ میوزیم کے اسٹاف میں ڈاکٹر رحمت علی ان کے اچھے دوستوں میں شمار کیے جاتے ہیں ڈاکٹر صاحب نے اردو کی باضابطہ تعلیم حاصل نہیں کی لیکن انہیں اردو زبان اور اردو تہذیب سے بے حد دلبستگی ہے بہت ہی متاثر کن لب ولہجہ میں گفتگو کرتے ہیں لگتا ہے کہ لطافت کا دریا بہہ رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا انداز گفتگو نہایت شائستہ اور پرکشش ہوتا ہے۔ ان کا حلقۂ احباب بہت وسیع ہے ڈاکٹر سالار جنگ میوزیم کی حیثیت سے ان کی غیر معمولی مصروفیات رہیں۔ بے تکان کام کرنے والی شخصیت سمجھے جاتے رہے سالار جنگ میوزیم بلڈنگ کے احاطہ میں واقع قیامگاہ میں کبھی کبھی مشاعرے منعقد کرتے تھے ڈاکٹر صاحب حیدرآباد کی اعلیٰ روایات کو اپنی زندگی میں جذب کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر بیگم جیسی روادار، نفیس اور مہذب شخصیتوں سے ہمارے شہر کی اعلیٰ روایات کو تقویت پہنچ رہی ہے خدا کرے کہ بیگم صاحب جیسے لوگ ہمارے شہر کی آبرو بڑھاتے رہیں ▬

تجمل حسین

(تہذیبی سفیر۔ وضع دار شخصیت)

شہر شرافت نواز، حیدرآباد فرخندہ بنیاد، چاہے اور چاہے جانے والے لوگوں کی پرکشش و معطر سرزمین، نہ صرف ادبی و علمی سیاسی و ثقافتی سرگرمیوں کے لئے مشہور ہے بلکہ تہذیبی و تفریحی سرگرمیوں کے لئے بھی ہمیشہ سازگار رہی ہے جہاں روایات ماضی کے امین سربراہان ریاست نے علوم و فنون کی سرپرستی کی ہے۔ وہیں صاحبانِ فکر و نظر نے بھی حوصلہ افزائی کی ہے۔ زمرۂ خواص کی طرح زمرۂ عوام سے تعلق رکھنے والے بے شمار اصحاب نے بھی فنونِ لطیفہ کے مختلف گوشوں کی سرخروی کے لئے اپنی داد و دہش، اپنے علم اور اپنی شخصی دلچسپی سے روشنی عطا کی ہے اس طرح کے ماحول کی سرپرستی کرنے والوں میں تہذیبی سفیر تجمل حسین کی شخصیت کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے فنکاروں، گلوکاروں کی

تہذیبی، تفریحی و موسیقی کے پروگرامس کو جاری رکھنے اُن کو بڑھاوا دینے اور ان کی بہتری اور بقاء کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیا ہے جناب تجمل حسین نے جن اداروں، انجمنوں اور شخصیتوں کی سرپرستی کی، جن کی دامے، درمے، سخنے مدد کی آج وہ پودے تناور درخت بن گئے ہیں۔ تجمل صاحب۔۔۔ ہر اُس شخص کی اور ہر اُس انجمن کے ذمہ داران کا جو محفلِ موسیقی، اور مزاحیہ پروگرامس کی ترتیب و تزئین سے دلچسپی رکھتے ہیں، مدد کرتے رہے ہیں اور اس طرح کا فیض رواں آج بھی جاری ہے تہذیبی سفیر کی سرپرستی میں بے شمار پروگرامس ہو چکے ہیں سیاسی و غیر سیاسی، فلمی و غیر فلمی شخصیتوں کے علاوہ نمائندہ، شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں کی محفلوں میں بھی اپنی شرکت سے اپنے وجود کا بھرپور احساس دلایا ہے ان کی سرپرستی میں ہونے والے پروگرامس میں دلیپ کمار صاحب جیسی بلند مرتبت فلمی شخصیت نے بھی شرکت کی ہے حیدرآباد میں جتنے بھی تہذیبی پروگرامس ہوتے ہیں سربراہ محفل کی حیثیت سے اکثر محفلوں میں انہیں مدعو کیا جاتا ہے۔ تجمل حسین جنکا انتہائی مہذب، وضع دار، بامروت، پُر وقار، معتبر اور محبت نواز شخصیت کے حامل ہیں۔ خاص طور پر ہر وہ شخص جو شعری، ادبی و تہذیبی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتا ہے۔ تجمل حسین صاحب سے یقیناً واقف ہوگا۔ ہر کس و ناکس سے تعلقات رکھنا انہیں پسند نہیں۔ شہر کے صفِ اول

کی نمائندہ شخصیتوں سے اُن کی رسم و راہ ہے چاہے وہ حکومت کے سربراہ ہوں کہ شہر کے ممتاز اور اونچی سطح کے شہری ہوں۔ ان کے روابط ہیں۔ کوئی بھی دیانت دار شخص اس بات کا اعتراف ضرور کرے گا کہ حیدرآباد میں بلا وقفہ گذشتہ ۴۰، ۴۵ برس سے جس طرح تہذیبی پروگرامس کی سرپرستی کی جارہی ہے اُن میں سرفہرست تجمل حسین صاحب کا نام بھی ہے اور یہ نام ہزاروں اُردو جاننے والوں اور اُردو تہذیب سے رشتہ رکھنے والوں کی زبان پر چڑھا ہوا ہے چاہے وہ خواص کا حلقہ ہو کہ عوام کا جتنی شہرت اُن کو ملی ہے وہ قابل رشک ہے۔ تجمل حسین صاحب سے گفتگو کرنا، پروگرام کے خد و خال کے بارے میں اظہارِ خیال کرنا آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ ان کی گفتگو کا انداز مقابل کی ذہنی سطح، تہذیبی و علمی صلاحیت کے پیشِ نظر کھل کر عیاں ہوتا ہے خاص طور پر شاعروں، ادیبوں سے گفتگو کرنے میں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اُن کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ "قلم کاروں سے نہایت ہی سلجھی ہوئی گفتگو کرتے ہیں۔ ان کا لب و لہجہ، شاعرانہ، ادیبانہ اور مدبرانہ ہوتا ہے ان کی گفتگو میں کوئی ایک جملہ بھی بھرتی کا نہیں ہوتا۔ طرزِ تخاطب مقابل کو بے حد متاثر کرتا ہے بعض جملے اس قدر مرصع و مسجع ہوتے ہیں کہ وہ کسی یونیورسٹی کے پروفیسر اور اہم شاعروں، ادیبوں کی گفتگو سے بھی آگے نکل جاتے ہیں تجمل حسین صاحب کو شعر و شاعری سے بے حد

دلچسپی ہے معاشرہ کے نشیب و فراز اور آس پاس کے ماحول نے انہیں
بہت زیادہ حساس اور باخبر بنادیا ہے ان کے اندازِ گفتگو میں
ایک انفرادیت ہے اسی طرح اِن کے رہن سہن، ان کی نشست و
برخواست اور خاص طور پر ان کی تہذیبی روایات و انسانی رشتوں
سے ان کی گہری وابستگی مثالی ہے۔ بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں
اگرچہ تجمل حسین صاحب محکمۂ انکم ٹیکس کے اعلیٰ عہدہ دار رہ چکے ہیں
لیکن ان کی ساری مدت ملازمت دیانت داری اور نیک نامی کا
سرچشمہ رہی ہے۔ انہوں نے اپنے عہدہ کا فرض شناسی کے ساتھ
حق ادا کیا ہے انہوں نے جہاں دیانت دار لوگوں کی فراخ دلی کے ساتھ
مدد کی ہے وہیں بددیانت لوگوں کی قانون کے مطابق سرزنش بھی کی
ہے دورانِ ملازمت انھیں بے شمار واقعات سے سابقہ پڑا ہے
لیکن انکم ٹیکس جیسے محکمہ میں رہ کر بھی ان کا دامن پاک و صاف رہا
تجمل حسین صاحب کے مخصوص رکھ رکھاؤ سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہو
جاتی ہے کہ وہ انتہائی مغرور انسان ہیں لیکن ایسا نہیں ہے دراصل
فطرتاً وہ محتاط ہیں دانشوروں، ادیبوں، شاعروں، صحافیوں
اور فن کاروں سے نہایت خلوص کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں ہر
شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے ذمہ داران سے ان کی صاحب
سلامت ہے لیکن ان کی فہرست میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن سے
وہ دل و جان سے اپنے تعلقات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں

مجھے یہ مسرت حاصل ہے کہ میں نے تجمل حسین صاحب کی سرپرستی میں منعقد ہونے والی کئی تہذیبی تقاریب میں شرکت کی ہے تجمل حسین صاحب سے میرے گہرے مراسم ہیں وہ مجھے بے حد پسند کرتے ہیں عزیز رکھتے ہیں اور وہ میری شاعری کے بھی دلدادہ ہیں۔ تجمل حسین صاحب کو شعری ادب سے خاص دلچسپی ہے انہیں اساتذۂ سخن کے علاوہ دورِ حاضر کے بیشتر شاعروں کے اشعار یاد ہیں۔ جب کبھی اُن سے ملاقات ہوتی ہے تو وہ لازماً میرے شعر سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں ع

ہم تو صحرا نصیب ہی ٹھہرے ⁂ تیرا کیا ہوگا اے گُلِ تازہ؟

تجمل حسین صاحب کے پاس میرے تقریباً تمام شعری مجموعے موجود ہیں۔ نثری کتابیں بھی ان کے زیرِ مطالعہ رہتی ہیں ان سے میری ملاقات کب، کہاں اور کن حالات میں ہوئی مجھے کچھ یاد نہیں ہے لیکن جب سے میں شعروادب کی محفلوں سے کچھ زیادہ وابستہ ہوگیا ہوں تب سے میں اُن کے نام اور اُن کے کام سے واقف ہوں تجمل حسین صاحب سے "سازِ بہاراں" کی تہذیبی و موسیقی پروگرام میں بھی ملاقات ہوا کرتی ہے اس پروگرام کو جس کو ممتاز موسیقار خواجہ بہاء الدین۔ (ریٹائرڈ سکشن آفیسر سکریٹریٹ) ترتیب دیا کرتے ہیں "سازِ بہاراں" کے لئے جناب بہاء الدین نے افتتاحیہ نغمہ مجھ سے لکھوایا ہے۔

تجمل حسین صاحب اُس نغمہ کو بنیاد بنا کر تعریف کیا کرتے ہیں۔ ہم نے سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے موسیقی کے پروگرام میں جو رویندرا بھارتی تھیٹر میں ہوا تھا تجمل حسین صاحب کو مدعو کیا تھا اپنی صدارتی تقریر میں انہوں نے کافی دیر تک میری شاعری پر تبصرہ کیا تھا ان ابتدائی تقاریب میں ملاقات کے بعد تجمل حسین صاحب سے میرے مراسم گہرے ہوتے گئے خاص طور پر راج بھون میں مختلف مواقع پر منعقدہ محفلوں میں شرکت سے ان کی قربت اور زیادہ ہو گئی۔ وہی انداز مخلصانہ، وہی دل کو چھونے والا طرزِ تخاطب وہی خلوص وہی مروت و رواداری۔ کونسا پہلو ایسا ہے جس کی خوشبو ان کی ملاقاتوں میں محسوس نہیں کی گئی۔ تجمل حسین صاحب کو محبوب حسین جگر صاحب بہت پسند کرتے تھے کئی دفعہ مجھ سے فرمایا کرتے کہ تجمل حسین صاحب کی وجہ سے شہر میں نئے نئے فنکاروں کو ابھرنے کا موقع مل رہا ہے۔ انہوں نے تفریحی و تہذیبی پروگراموں کے انعقاد کے سلسلے میں بڑی خدمت کی۔ جگر صاحب ان کی خدمات سے بے حد متاثر تھے۔ ان سے متعلق جو بھی تقریب شہر میں ہوتی اُس تقریب کی نیوز "سیاست" میں اہمیت کے ساتھ شائع کی جاتی تھی اور تصویریں بھی پابندی سے شائع ہوا کرتی تھیں آج بھی (جناب زاہد علی خان صاحب کی سرپرستی میں یہ سلسلہ جاری ہے) عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کی روایت کو باقی رکھتے ہوئے

زاہد علی خان صاحب نے بھی شہر کی نمائندہ شخصیتوں کے احترام کو ملحوظ رکھا ہے تجمل حسین صاحب کبھی کبھی شاعرانہ موڈ میں رہ کر میری غزلوں کے اشعار فون پر سناتے ہیں۔ اپنے بچوں کی شادیوں کی دعوتیں ہوں کہ ان کی جانب سے کہیں عشائیہ کا اہتمام کیا گیا ہو مجھے یاد کیا کرتے ہیں کچھ مہینوں پہلے کی بات ہے کہ شہر کے نمائندہ شاعروں اور ادیبوں کے لئے اپنے دولت خانے پر عشائیہ ترتیب دیا تھا اور مجھ سے فون پر کہا کہ میں اپنے شاعر دوستوں کے ساتھ عشائیہ میں شرکت کروں۔ انہوں نے اس عشائیہ کی تاریخ کا تعین بھی مجھ سے ہی کروایا۔ عشائیہ میں میرے علاوہ رئیس اختر، نانک سنگھ نشتر، قاضی انجم عارفی، مومن خان شوق اور بشیر امجد، حمایت اللہ، ڈاکٹر مصطفے کمال، مجتبیٰ حسین، طالب خوندمیری اور ذہین و فطین سحر البسطی الدیب علی خان نے بھی شرکت کی عشائیہ کے بعد تمام مہمانوں کو بھاری بھرکم پھولوں کا ہار پہنائے تجمل حسین صاحب نے اپنی ادب دوستی کا بھرپور ثبوت دیتے ہوئے اپنے چاہنے والوں کا دامن خوشبوؤں سے بھر دیا۔ تمام شاعروں ادیبوں کی جانب سے میں نے اظہارِ تشکر کے طور پر ایک تاثراتی تقریر کی۔ تجمل حسین صاحب نے خلوص کی انتہا کر دی۔ میرے گھر پہنچنے کے بعد فون کیا اور کہا کہ آپ اور آپ کے شاعر دوستوں نے قدم رنجہ فرما کر میرے غریب خانے کی رونق بڑھائی۔ تجمل حسین صاحب جیسے

پُر خلوص لوگ شہر میں بہت کم رہ گئے ہیں ۔ نہایت خلیق، بے غرض اور صاف دل انسان ہیں ان کا یہ اصول ہے کہ جو بھی محبت سے ملتا ہے اس کا جواب محبت سے دیا جانا چاہیئے ۔ ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ تجمل حسین صاحب نے تہذیبی پروگراموں کو زیادہ سے زیادہ پُرکشش بنانے نئے نئے فنکاروں اور گلوکاروں کی ہمت افزائی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے ان کی خدمات حیدرآباد کی تہذیبی تاریخ کا ایک اہم حصہ بن ہوئی ہیں جو فیض رواں کی طرح ہیں جن کا تذکرہ آنے والی نسلیں بڑے فخر کے ساتھ کریں گی ۔ تجمل حسین صاحب کا شمار بلاشبہ شہر کی نمائندہ شخصیتوں میں ہوتا ہے اور ان کا نام تازہ پھولوں کی خوشبو، سورج کی اچھوتی کرنوں اور چاند کی دھلی ہوئی چاندنی کی طرح ہمارے معاشرہ کا سرتاج بنا رہے گا ۔

اُجالوں کی سرزمین سے گزرنے والے لوگوں کے دامن ہمیشہ روشن رہتے ہیں ان کے دل و دماغ معطر فضاؤں سے ہم کنار رہتے ہیں ایسے خوش نصیب لوگوں میں تجمل حسین صاحب کا نام بروشن رہے گا ۔

خدا انھیں صحت و سلامتی کے ساتھ مزید خدمات کا موقع عطا فرمائے ۔ میری دلی خواہش ہے کہ تجمل حسین صاحب کی خدمات کی خوشبو دامانِ شعر و ادب اور تہذیبی محفلوں کو تا دیر مہکاتی رہے ۔

~ * ~